اختیار نبوت
مصنف
پیر طریقت محقق عصر
حضرت علامہ مفتی عبید الرحمن صاحب قبلہ رشیدی
ادارۂ اشاعت
طلبہ مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم
ادری، ضلع مئو، یوپی

باسمہٖ وحمدہٖ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

قَدْ أُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْض (بخاری)

اختیار نبوت

﴿مصنّف﴾

پیر طریقت محقق عصر

مفتی عبید الرحمٰن رشیدی

ادارۂ اشاعت

طلبہ مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم

ادری، ضلع مئو، یوپی

نام کتاب : اختیار نبوت

نام مصنف : حضرت علامہ مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی مدظلہ العالی

سن طباعت باراول : ۱۹۸۳ء

// // باردوم : ۲۰۰۱ء

// // بارسوم : ۱۹-۲۰۱۸ء/۴۰-۱۴۳۹ھ

کمپوزنگ : احمد رضا مصباحی (المجمع الاسلامی)8355035130

معاون پروف : محمد عرفان رضا (سیتامڑھی)

صفحات : ۱۷۵

قیمت :

تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ناشر

طلبہ درجۂ سادسہ مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم

ادری، مئو (یو۔پی) پن کوڈ: ۲۷۵۱۰۲

PUBLISHED BY:

STUDENTS OF CLASS SADESA

Madrasa Arbia Razvia Zeyaul Uloom

Adri Mau U.P.Pin Code:275102

نام: مشغلہ: پتا:

فہرست مضامین

عرض حال

عرصہ دراز سے مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم کے طلبہ جماعت سادسہ جشن یوم رضا بہت منظم ،شاندار اور اعلیٰ پیمانے پر مناتے آرہے ہیں مگر امسال کچھ اساتذۂ کرام نے نصیحت کیا کہ اگر اس مبارک موقع پر اہل سنت وجماعت کے کسی مقتدر عالم دین ومصنف کی کتاب کی ترویج واشاعت کردی جائے تو عوام وخواص کے لیے ایک مفید کام ہوجائے گا اور امام اہل سنت کی بارگاہ میں بہترین خراج عقیدت، یہ نصیحت اتنی مؤثر ہوئی کہ جس سے ہمارے ذہن کے دریچے کھل گئے اور اس سلسلے میں ہم لوگوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے حضرت علامہ ومولانا عرش محمد صاحب قبلہ سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے اس اقدام پر خوشی کا اظہار فرمایا اور خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔ بعدازاں جملہ اساتذۂ کرام سے مشورے طلب کئے انھوں نے بھی اس عملی اقدام کو سراہا اور داد وتحسین سے نوازا۔ زیر نظر کتاب فن اعتقاد میں ایک مایۂ ناز تصنیف ہے جو حضرت علامہ مفتی عبید الرحمٰن صاحب قبلہ رشیدی کی رشحات قلم سے عمل میں آئی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ عظیم کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا اس بارے میں ہم بہت زیادہ ممنون ومشکور ہیں حضرت علامہ عرش محمد صاحب قبلہ برکاتی کا کہ جنھوں نے اپنی عدم فرصتی کے باوجود ایک گراں قدر تقدیم لکھ کر نوازا اور حضرت علامہ عبد المبین صاحب قبلہ نعمانی کے بھی تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ایک قیمتی تاثر عطا فرمایا، اور تمام اساتذۂ کرام کے ہم دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہیں جنھوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور حوصلہ افزائی فرمائی اور مدرسہ ہذا کے ان تمامی طلبہ کے بھی ہم صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس دینی کام میں دامے ،درمے ،قدمے ،سخنے حصہ لیا۔

اور ہم دعا گوں ہیں کہ رب کریم ان تمام حضرات کو بہترین صلہ عطا فرمائے اور ان کا سایۂ کرم ہمارے سروں پر قائم رکھے اور طلبۂ جماعت سادسہ کی اس اشاعتی خدمت کو قبول فرمائے اور دارین کی سعادت اور سرخ روئی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

من جانب طلبۂ جماعت سادسہ

بقلم: محمد حامد رضا (نیپال)

متعلم درجۂ سادسہ، مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم (ادری، مئو، یوپی)

۱ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء

تقدیم

جامع معقولات و منقولات

حضرت علامہ مولانا **عرش محمد برکاتی** مدظلہ العالی

صدر المدرسین مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم، ادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درجۂ سادسہ (عالمیت کے طلبہ ہر سال ماہ صفر المظفر میں "یوم رضا" کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور منتخب موضوعات پر تقریری مقالات پیش کرتے ہیں۔ اور کسی خاص موضوع پر توسیعی خطبہ دینے کے لیے ذمہ دار عالم دین یا دینی تقاضوں سے آشنا دانشور کو مدعو کرتے ہیں۔ مسرت کی بات ہے کہ امسال درجۂ عالمیت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء کے طلبہ نے ایک دینی کتاب کی اشاعت کا بھی ارادہ کیا۔ اور مولانا خورشید عالم مصباحی استاذ مدرسہ ہذا نے اس کی تصحیح کا کام کیا۔ زیر نظر کتاب اختیار نبوت استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی عبید الرحمٰن صاحب قبلہ رشیدی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ کی تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر گراں قدر مدلل عالمانہ کتاب ہے۔ عقل سلیم کے لیے اختیار نبوت کا ثبوت سب سے واضح اور مانوس حقیقت ہے اصول فطرت کے مطابق کوئی انسان اپنے برابر اور ہمسر کی اطاعت نہیں کرتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ رسول کو ایسے کمالات اور تصرفات کی قدرت سے مسلح کر کے بھیجا جائے کہ کوئی انسان اس کی برابری کا دعویٰ نہ کر سکے اور اس کی اطاعت کرنے میں اسے کوئی عار محسوس نہ ہو درجہ عالمیت کے فارغین طلبہ کے تعاون سے یہ کتاب نئے ایڈیشن کے ساتھ منظر عام پر آرہی ہے۔ ہمارے عزیزوں کا یہ اقدام ایک مستحسن اور لائق ستائش اور علما و مشائخ کے فیضان کو عام تر فرمائے۔ مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم کے طلبہ و اساتذہ اور ارکان و معاونین کی دینی خدمات قبول فرما کر دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

۵/ محرم الحرام

۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء

عرش محمد برکاتی

صدر المدرسین مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم، ادری

ہدیۂ تبریک

رئیس التحریر، مبلغ اسلام، مصلح قوم وملت

حضرت علامہ **محمد عبدالمبین نعمانی** صاحب قبلہ

ناظم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ مئو (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم وآله وصحبه اجمعین.

ایمان وعقیدے کی سلامتی ایک مومن کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے کبھی آدمی کھلا کافر تونہیں ہوتا مگر گمراہی کا شکار ہوکر کفر کے گڈھے میں جاگرتا ہے، گمراہ ہوکر رہ جاتا ہے گویا ہر کافر گمراہ ہے، لیکن ہر گمراہ کافر ہوایسا نہیں، کفر واسلام کی سرحدیں قرآن پاک، حدیث رسول اور ارشادات صحابہ ومجتہدین سے متعین ہو چکی ہیں۔

صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی قدس سرہٗ خلاصے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

ایمان اسے کہتے ہیں کہ سچے دل سے ان سب باتوں کی تصدیق کرے جو ضروریات دین ہیں، کسی ایک ضروری دینی کے انکار کو **کفر** کہتے ہیں۔

ضروریات دین وہ مسائل دین ہیں جن کو ہر خاص وعام جانتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت (یکتائی) انبیا کی نبوت، جنّت ونار (جہنم) حشرونشر وغیرہا مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین (آخری نبی) ہیں، حضرت کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا۔

عوام سے مراد وہ مسلمان ہیں جو طبقۂ علما میں نہ شمار کیے جاتے ہوں مگر علما کی صحبت سے شرف یاب ہوں، مسائل علمیہ سے ذوق رکھتے ہوں ـــــ نہ وہ کہ کورِ دِہ (چھوٹا گاؤں) اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے کہ ایسے لوگوں کا ضروریاتِ دین سے ناواقف ہونا اس ضروری کو غیر ضروری نہ کردے گا ـــــ البتہ ان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے، ان سب پر اجمالاً ایمان لائے ہوں۔ (1)

اور شرک کی تعریف میں فرمایا:

شرک کے معنی غیرِ خدا (خدا کے علاوہ کسی) کو واجب الوجود (جس کا وجود ضروری ہو اور اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو) یا مستحق عبادت (پرستش کے لائق) جاننا یا الوہیت (خدا ہونے) میں (کسی) دوسرے کو شریک کرنا اور یہ کفر کی سب سے بدتر قسم ہے۔ (ایضا)

ایمان و کفر اور شرک کی نہایت جامع تعریف اوپر مذکور ہوئی، لہٰذا جو ایمان کا مصداق ہے مومن کہا جائے گا اور جو کفر و شرک کا مرتکب ہو گا اسے کافر اور مشرک کہا جائے گا ـــــ لیکن آج کل کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی من مانی تعریف کی بنیاد پر اہل ایمان کو کافر، مشرک کہنے لگے ہیں ـــ مثلاً کسی نے سرکار اقدس ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی تو اس کو کافر کہہ ڈالا، وسیلے کا عقیدہ رکھا مشرک کہہ دیا ملاحظہ ہو کتاب "رہنمائے معتمر" جس کا عربی نام ہے ـــ دلیل المعتمر (عمرہ کرنے والوں کے لیے رہنما) یہ کتاب "سعودی گورنمنٹ" کی طرف سے شائع ہوئی

(1)....بہار شریعت، مطبوعہ بریلی: ۱/۵۲.

ہے اس کا عربی ایڈیشن بھی ملتا ہے اور اردو بھی یہ کتاب جو میرے سامنے ہے ۱۴۳۵ھ کی ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے اور وسیلے بنائے جن سے وہ دعا کرے اور ان سے شفاعت کا سوال کرنے لگے اور ان پر بھروسہ و تکیہ کرے وہ—بالاجماع کافر ہے—[1]

وسیلہ واسطہ بنانے کا حکم تو قرآن پاک میں ہے، کہ ارشاد خداوندی ہے:

«يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ»[المائدة:۳۵]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو“۔(کنزالایمان)

یہ وسیلے کے تعلق سے قرآن کا ارشاد ہوا، اب شفاعت کے بارے میں قرآن کا فرمان ملاحظہ ہو۔

«مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ»[البقرة:۲۵۵]

”وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش (شفاعت) کرے بے اس کے حکم کے“۔(کنزالایمان)

اس میں کفار و مشرکین کا رد ہے جو اپنے بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ خدا کے یہاں ان کی سفارش کریں گے، یہ یقیناً باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نیک بندے شفاعت فرمائیں گے اور ان میں نبی خاتم ﷺ سب سے مقدم ہیں کہ اللہ نے انھیں شفاعت کی کنجی عطا کی ہے بے ان کے وسیلے کے کوئی اور سفارش نہ کرسکے گا، اس سلسلے میں صرف ایک حدیث ملاحظہ کریں سرکار اقدس ﷺ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں:

(1)....رہنمائے معتمر، ص:۹-۱۰۔

واُعْطِیْتُ الشفاعَةَ. [1] (شفاعت مجھے عطا کی گئی ہے)

اب جو نہ قرآن مانے نہ حدیث، اس کا کیا حکم ہو گا، بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے، حیرت کی بات ہے کہ یہی لوگ آج توحید کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اور ہم اہل سنت وجماعت کو مشرک گردانتے ہیں۔

تفصیل کے لیے زیر نظر کتاب "اختیار نبوت" کے اوراق پلٹیں اور ملاحظہ کریں کہ امت میں افتراق وانتشار کون پیدا کر رہا ہے اور کون قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے نقش قدم پر گامزن ہے زیر مطالعہ کتاب میں — شفاعت، شرک وتوحید، عبادت وتعظیم معجزات، قدرت وکسب پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے جس سے مذہب حق اہل سنت وجماعت کی حقانیت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے آج ہم اہل سنت وجماعت ان نجدیوں کو اپنا امام وپیشوا نہیں مانتے تو بعض لوگوں کو تعجب ہوتا ہے بلکہ طعنے دیتے ہیں ان کے لیے مذکورہ عبارت لمحۂ فکریہ سے کم نہیں — حیرت تو اس پر ہے کہ جو لوگ شفاعت اور وسیلے کا اقرار بھی کرتے ہیں اور ان نجدیوں سے میل محبت بھی رکھتے ہیں ان کو اپنا امام اور پیشوا بھی مانتے ہیں اور ہم سنیوں کو طعنہ بھی دیتے ہیں۔

شفاعت مصطفیٰ پر علمائے کرام نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں انھیں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ایک کتاب چالیس احادیث شفاعت پر مشتمل ہے جس کا تاریخی نام ہے۔ "اسماع الاربعين في شفاعة سيد المحبوبين" (١٣٠٥ھ) — وسیلے کے موضوع پر بھی کئی کتابیں ہیں ان میں ایک تحقیقی کتاب ہے "وسیلہ" (مصنفہ زاہد الکوثری مصری). دونوں کتابیں المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ سے نشر ہو چکی ہیں اور دستیاب ہیں، یہ دونوں

(1)....صحیح بخاری شریف، كتاب التيمم: ٤٨/١. كتاب الصلاة: ٦٢/١.

کتابیں اس لائق ہیں کہ ان کو گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جائے تاکہ صحیح ایمان وعقیدے کی تبلیغ ہو اور بدعقیدوں کے دلائل کی روشنی میں رد بھی ہوسکے آج کل جذباتی اور شعلہ بار تقریر و تحریر کا بڑا رواج ہے جب کہ سنجیدہ اور مدلل تقریر و تحریر زیادہ مفید اور موثر ہے، مگر افسوس کہ ایسی تحریروں کی اشاعت میں غفلت برتی جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب "اختیار نبوت" مسلک حق اہل سنت وجماعت کی صحیح ترجمان ہے اس کی بھی خاطر خواہ اشاعت ہونی چاہیے تھی لیکن افسوس کہ اس پر بھی عمل نہ ہوسکا، اس عالی شان کتاب کا پہلا ایڈیشن آج سے پینتیس (۳۵) سال قبل ۱۹۸۳ء مدرسہ شمس العلوم گھوسی (مئو) سے شائع ہوا — دوسرا ایڈیشن ناچیز راقم الحروف کی ترغیب و تحریض پر رضا اسلامک مشن، مدنپورہ، بنارس (یوپی) سے ۲۰۰۱ء میں اٹھارہ سال بعد شائع ہوا اور اب بھی ناچیز ہی کی رہنمائی پر تیسرا ایڈیشن مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم ادری، مئو (یوپی) سے سترہ سال بعد شائع ہو رہا ہے، اس اشاعت میں ضیاء العلوم ادری کے باہمت طلبہ نے حصہ لیا ہے اور اپنے خرچ سے اس کو شائع کیا ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ طلبہ نے اس عظیم تحقیقی تحریر کو **"صدسالہ عرس رضا"** کی تقریب کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی حسن کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے اور آئندہ مزید اس قسم کے علمی، دینی اور تحریری کاموں کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و آلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم۔

اب آخر میں مصنف علام مدظلہ کی حیات وخدمات پر بھی مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ یادگار رہے۔

تذکرۂ مصنف

(ایک مختصر جائزہ)

نام: محمد عبید الرحمٰن بن حکیم شیخ لطیف الرحمٰن بن شیخ منشی شفاعت علی ہے۔
جاے پیدائش موضع بینی باڑی، کٹیہار (بہار) ہے۔

آپ کے والد بزرگوار عظیم المرتبت شیخ طریقت حضرت شاہ سید شاہد علی سبز پوش علیمی رشیدی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے، اور چمنی بازار (پورنیہ) میں حضرت مولانا سکندر علی قدس سرہٗ کے جانشین تھے۔

حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اس کے بعد [مدرسہ مصطفائیہ] چمنی بازار درگاہ شریف میں حضرت مولانا غلام یٰسین شاہدی رشیدی کے زیر سایہ ہوئی، شرح ملا جامی کے درس کا جب وقت آیا تو استاذ مکرم کے حکم اور مرضی سے دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم، قصبہ مبارک پور اعظم گڑھ میں استاذ العلما حافظ ملت علیہ الرحمۃ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے زیر سایہ درس نظامی کی تعلیم مکمل کی اور ۱۹۶۷ء میں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے — فراغت تعلیم کے بعد آپ نے تدریسی مشغلے کو ترجیح دیتے ہوئے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور (ٹاٹا) سے تدریس کا آغاز فرمایا اس کے بعد جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں مدرس رہے کئی سال درس دینے کے بعد ممبئی دارالعلوم محمدیہ باولا مسجد میں تدریسی خدمات اور افتا کے فرائض انجام دیے پھر دارالعلوم ندائے حق جلال پور فیض آباد میں درس دیا جس وقت وہاں حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا خلیق احمد گھوسوی، مولانا کبیر الدین حنفی نگ پوری مولانا محمد کوثر خاں نعیمی جیسی عظیم شخصیات اپنا درسی فیضان لٹا رہی تھیں، ۱۹۸۶ء تک چند سال گھوسی کے مشہور اور

قدیم مدرسہ شمس العلوم میں بھی درس دیا، چمنی بازار مدرسہ مصطفائیہ میں بھی تدریس کا کام کیا، شاید ناگ پور کے کسی مدرسے میں بھی کچھ دنوں تک درس دیا اکثر مدارس میں درس کے ساتھ افتا کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ ابتدائی دور میں فاضل معقولات کی حیثیت سے آپ کو شہرت ملی، پھر میدان افتا میں شاندار کارکردگی کی وجہ سے ایک معتبر مفتی کی حیثیت سے آپ نے اپنی قابلیت کالوہا منوایا پھر اچانک آپ کی توجہات تصوف و خانقاہ کی طرف منعطف ہوگئیں ہوا یہ کہ ۶ر صفر المظفر ۱۴۰۷ھ/ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو بعد نماز فجر حضرت مولانا شاہ غلام یٰسین رشیدی نے حضرت سید ہاشم علی سبز پوش کی موجودگی میں حضرت دیوان جی محمد رشید قدس سرہٗ کا خرقہ آپ کے اوپر اڑھادیا اس طرح آپ خانقاہ رشیدیہ (جونپور) کے گیارہوی سجادہ نشین کی حیثیت سے مسند سجادگی پر متمکّن ہوگئے اور خانقاہ کے ذمہ داروں بطیب خاطر آپ کی جانشینی کو قبول فرمالیا۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے مسند سجادگی سنبھالتے ہی خانقاہوں کی مرمت کا کام کیا، منڈواڈیہ بنارس کے احاطے میں ایک دارالعلوم معینیہ طیبیہ بیادگار حضرت قطب بنارس شاہ طیب بنارسی رحمۃ اللہ ۱۹۹۰ء میں قائم کیا اس کے لیے شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ خانقاہ سے متعلق کتابوں کی اشاعت کے لیے شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا جہاں سے دیوان آسی، عین المعارف، سمات الاختیار بنام تذکرہ مشائخ رشیدیہ، مناقب العارفین اور صلاۃ طیبی وغیرہ کتابیں نہایت آب و تاب سے شائع کی گئی ہیں آپ کی ذات سے بیعت و ارشاد کا ملکہ بھی فروغ پارہا ہے، واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحب بیک وقت خانقاہ رشیدیہ جون پور، خانقاہ شاہ طیب بنارسی منڈواڈیہ، آستانہ شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری خانقاہ رشیدیہ چمنی بازار پورنیہ کے سجادہ نشیں و نگراں ہیں — آپ کی تصانیف میں مندرجہ ذیل

کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں:

(۱)-جواہر الحدیث (حدیث پاک کا مختصر مجموعہ) (۲)-بیان حقیقت مزارات اولیا پر حاضری کے خلاف ایک بد عقیدہ مولوی کی ہفوات کا مدلل جواب (۳)-اختیار نبوت، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے — شرک و توحید اور اختیار نبوت پر ایک بے نظیر کتاب ہے اور قابل مطالعہ بھی، حضرت مفتی صاحب ایک بہترین مدرس زبردست معقولی، شاندار مفتی، عالمانہ تقریر کرنے والے خطیب اور ایک بافیض مرشد ہیں۔ اور مصنف کی حیثیت سے آپ کا جو مقام ہے وہ زیر نظر کتاب سے بخوبی ظاہر ہے، مفتی صاحب میرے مخلص کرم فرماؤں میں سے بھی ہیں جامعہ حمیدیہ بنارس ان کی تدریس کے دوران میں ان سے علمی استفادہ بھی کیا ہے اس طرح وہ میرے دوست بھی ہیں۔

یکم صفر المظفر ۱۴۴۰ھ
۱۱/ اکتوبر ۲۰۱۸ء

محمد عبد المبین نعمانی قادری
دار العلوم قادریہ۔ چریاکوٹ۔ ضلع مئو

تقریظ

از: بحر العلوم حضرت علامہ **مفتی عبد المنان** صاحب قبلہ اعظمی مصباحی (علیہ الرحمۃ)

سابق شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نحمدہ وَنُصَلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم .

جس طرح یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام سید عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت دنیا شرک وبت پرستی کی دبیز چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور روئے زمین کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں تھا، جہاں توحید وخدا پرستی کا کوئی چرچا ہو۔

اسی طرح یہ امر بھی ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رشد وہدایت، آپ کی غیر معمولی جدوجہد، انتھک کوشش اور جگر کاوی کے نتیجہ میں کفر وشرک کا پردہ تار تار ہوا اور دنیا کے ہر گوشہ اور انسانوں کے ہر طبقہ میں کفر وشرک وبت پرستی ننگی ہوگئی۔ دنیا شرک کے اندھیروں سے نکل کر توحید کے اجالے میں آگئی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو اِس درجہ رسوا کر دیا کہ اب کوئی سمجھ دار انسان اس کے دھوکہ میں نہیں آسکتا۔

چناں چہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس کامیاب جدوجہد پر اس درجہ اطمینان ہوا کہ آپ دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے اعلان فرمایا:

والله اني ما اخاف عليكم ان تشركوا بعدى ولكن اخاف عليكم ان تنافسوا.[1]

(1)....بخاری شریف، ۱ / ۱۷۹، اصح المطابع.

قسم خدا کی میں تم پر اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ تم شرک میں مبتلا ہو گے۔ البتہ اس بات کا ڈر ہے کہ آپس میں لڑو۔

اور ساری دنیا کو یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ صرف مسلمان ہی نہیں دنیا کا ہر سمجھ دار آدمی شرک کی آلودگیوں سے محفوظ ہو گیا۔

چناں چہ مولوی امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

موجودہ زمانہ میں جو لوگ جدید علوم و افکار سے متاثر ہیں ان کا ذہین طبقہ بھی بلا امتیاز مذہب و ملت شرک سے بیزاری ضرور رکھتا ہے، خواہ توحید کے لیے ان کے اندر کوئی حمیت ہو یا نہ ہو۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں الحاد ہے یا توحید، شرک جیسی وہم پرستی میں اس زمانہ کا عقلیت پرست انسان مبتلا نہیں ہو سکتا۔[1]

مگر نہایت افسوس ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے اِس واضح اعلان اور دنیا کے عقلیت پرستوں کے اس اجماعی بیان کے بعد بھی کچھ مدعیانِ توحید و اسلام شرک کی اِلرجی میں گرفتار ہیں۔ اور انھیں کسی دوسری جماعت میں خاص اہل اسلام کے سواد اعظم میں بھی ہر طرف شرک ہی شرک نظر آتا ہے۔

چناں چہ فرقۂ وہابیہ کے ایک ترجمان احمد بن ناظر نجدی تحریر کرتے ہیں:

واما من قال:"لاالٰه الاالله محمد رسول الله" وهو يقيم علىٰ شركهٖ يدعوالموتى ويسالهم قضاء الحاجات وتفرج الكربات هذا كافر مشرك حلال الدم والمال وان قال لااله الا الله محمد رسول الله وصلّٰى وصَام وزعم انه

(1)....حقيقت شرك، ص:۹.

مسلمؒ۔[1]

جو شخص "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" پڑھ کر بھی شرک پر قائم رہا کہ مُردوں کو پکارتا رہا ان سے ضرورتوں کے پوری کرانے کی اور مصیبتوں کے دور کرنے کی درخواست کرتا رہا وہ کافر و مشرک ہے۔ اس کی جان و مال مباح ہے۔ چاہے "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" پڑھتا رہے۔ نماز و روزہ ادا کرتا رہے اور اپنے کو سچا پکا مسلمان سمجھتا رہے۔

اسی کی بازگشت ہندوستان میں بھی جگہ جگہ سنائی دیتی رہتی ہے۔

چناں چہ غیر مقلدین کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اول سننا چاہیے کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے۔ اور اصل توحید نایاب ہے۔ لیکن اکثر لوگ شرک و توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ حالاں کہ شرک میں گرفتار ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان عام اور عامۃ المسلمین کے اظہار بیزاری کے بعد بھی یہ بے محابا اعلان کہ تم لاکھ نمازیں پڑھتے رہو، روزے رکھتے رہو، ایمان کا اظہار اور شرک سے بے تعلقی ظاہر کرتے رہو، بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں خدا اور رسول تمھیں مسلمان ہی کیوں نہ سمجھے ہم تو تمھیں کافر و مشرک ہی قرار دیتے رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یا تو ہٹ دھرمی ہے (جس کا امکان زیادہ ہے) یا کوئی غلط فہمی کا امکان معدوم ہوتے ہوئے بھی ہم رعایتاً یہی فرض کر لیتے ہیں کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہی ان لوگوں نے جمہور اسلام کے خلاف یہ بھیانک الزام قائم کیا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس غلط فہمی کی بنیاد کیا ہے؟

---

(1)....محمد ابن عبد الوھاب: ٦٣.

(2)....تقویۃ الإیمان، ص: ٧٧٦.

اِن مدعیان توحید کی طرف اپنے اس فرد جرم کی توجیہ میں اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

قرآن عظیم میں مشرکین کے جن بتوں اور معبودوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بھی اسلامی اولیا اللہ کی طرح گزرے ہوئے خدا کے نیک بندے ہی تھے، اور مشرکین جن کی مذمت سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ ان کا شرک بھی سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ وہ بھی اپنے معبودوں کو مشکل کشا، حاجت روا، اور دافع البلا سمجھتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔

پس جب مشرکین گزشتہ بزرگوں سے یہ معاملہ کرنے پر مشرک قرار دیے گئے تو یہ امت "لاالہ الااللہ" پڑھ کر ہی سہی وہی معاملہ اولیا اللہ سے کر رہی ہے تو کیوں نہ مشرک ہوگی؟ اور اس سلسلہ میں بڑی شدومد کے ساتھ ایک حدیث کہ مشرکین عرب حج میں اس طرح لبیک پڑھتے تھے: اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ. لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْکًا تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَكَ. اور ایک آیت: ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی﴾[الزمر:۳] پیش کی جاتی ہیں حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکینِ عرب حج میں لبیک پڑھتے ہوئے اللہ کے لیے ایک ایسا شریک قرار دیتے تھے جس کی ساری ملک اور خود اس کو اللہ ہی کی ملک قرار دیتے تھے۔ اور آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے شرک کی معذرت کی کہ ہم ان بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا نزدیکی بنادیں۔

نتیجہ کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ خدا کے دیئے ہوئے اختیارات سے بھی کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا ماننا شرک ہے۔ اور یہ آیت بتاتی ہے کہ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہی سمجھتے تھے۔ اور یہی ان کا شرک ہے۔

اس سے قطع نظر کہ مذکورہ بالا آیت و حدیث سے کیا ثابت ہورہا ہے ان مدعیانِ توحید کی مذکورہ بالا بات مِن وعن تسلیم کرلی جائے تو ایک نہایت اہم الجھاؤ پیدا ہوتا ہے، جس کا کوئی حل نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ شرک ہر زمانہ میں شرک اور ممنوع ہی رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ آج کا شرک، کل جائز اور حلال ہوجائے۔

اس طرح زندہ اور مردہ کسی کو بھی خدا کے ساتھ شریک نہیں کرسکتے جو معاملہ مردوں کے ساتھ کرنا شرک ہوگا، وہی زندوں کے ساتھ بھی، پس اگر کسی مردہ کے لیے یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ہماری مشکل دور کردیں گے شرک ہو، جیسا کہ مدعیانِ توحید کا دعویٰ ہے۔ تو کسی زندہ شخص سے بھی مشکل کے وقت مدد طلب کرنا، اور اس کو مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے پکارنا شرک ہی قرار پائے، پھر دنیا میں کون ہے جو شرک سے محفوظ رہا۔ اسی لئے اس مقام پر ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تاکہ مصنوعی یا واقعی غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو، اور حقائق روشن ہوکر سامنے آجائیں۔

[۱]— انسان کے مرنے کے بعد اس کے جملہ تصرفات از قسم سمع و بصر، عقل و ادراک، اور مختلف تصرفات از قسم نقل و حرکت یا امداد و اعانت یک لخت ختم ہوجاتے ہیں، یا سب باقی رہتے ہیں، یا کچھ مسلوب، اور کچھ باقی، یا مزید کچھ کا اضافہ بھی ہوجاتا ہے۔

[۲]—باقی رہنے کی صورت میں کیا مسلم و کافر کا کچھ فرق پڑتا ہے، بلکہ مسلمانوں میں بھی مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور دیگر عام مسلمانوں میں کچھ فرق مراتب ہے یا نہیں؟

[۳]—کیا غیر خدا ''زندہ ہوکہ مُردہ'' اس میں خدا کے اِذن اور اس کے عطا کردہ اختیار سے بھی کچھ اوصاف، یا اختیار و تصرف تسلیم کرنا شرک ہے یا کوئی مخصوص اصول ہے کہ فلاں قسم کے اختیارات تسلیم کرنا شرک ہے، اور فلاں نہیں؟

[۴]—شرک کی حقیقی تعریف کیا ہے؟ اگر یہ واضح ہو کر سامنے آجائے تو سارا اِختلاف ہی ختم ہو جائے گا۔ بلکہ اوپر کے تمام سوال بھی اسی کے برگ و بار ہیں۔

زیر نظر کتاب "اِختیار نُبوّت" میں حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب زید مجد ہم نے (جو ہماری جماعت کے نوجوان علما میں صف اول کے ممتاز ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں) مختلف عنوانوں کے تحت مذکورہ بالا مسائل بلکہ ان سے پیدا ہونے والے بہت سارے ذیلی مباحث پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اور ایک قابل وفاضل بیرسٹر کی طرح پوری حاضر دماغی کے ساتھ ہر مسئلہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے— اور ناقابلِ انکار شہادتوں سے ہر دعویٰ کو اس درجہ واضح اور مستحکم بنادیا ہے کہ متلاشیانِ حق کے لیے سچائی کی تمیز بالکل آسان ہوگئی اور ہٹ دھرموں کے لیے قیل و قال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

مولا تعالیٰ مولانا کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ان کے فیوض کو عام و تام کرے اور اس کتاب کو مقبول انام بنائے— اور خدا کرے کہ اس متین تحریر سے بند دلوں کے دروازے بھی کھل جائیں۔ آمین

عبد المنان اعظمی

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

پیش لفظ

نسبتِ شرک بجز تہمت بیجا کیا ہے؟
دل ہے جب اس کی طرف رُخ ہے وسائل کی طرف (آسی علیہ الرحمۃ)

انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام خداوند قدوس کے ان برگزیدہ بندوں میں سے ہیں جو ہر طرح کے فضائل وکمالات سے آراستہ ہیں اور انسانوں میں ان کا رتبہ اتنا عظیم ورفیع ہے کہ جن کا ادراک عام انسانوں کے دائرہ عقل سے باہر ہے۔ بذات خود نبوت ورسالت یہ ایسے اوصاف ہیں جو اپنے اندر تمام کمالاتِ ممکنہ کو جامع ومحیط ہیں۔ من جملہ ان کمالات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کائنات عالم پر منجانب اللہ تصرف کرنے کے ماذون ومختار ہیں۔ انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کی قدرت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہیں فوق الفطری امور اور اسبابِ عادیہ کے بر خلاف کوئی کام کر ڈالیں۔ یہ نفوس قدسیہ اگرچہ ظاہری شکل و صورت میں بشر ہیں مگر اسی کے ساتھ مخصوص خلافت الٰہیہ کے حامل بھی ہیں، جو انھیں عام انسانوں سے ممتاز ومنفرد کر دیتی ہے۔ اور ان کے اندر من جانب اللہ وہ قوت واستعداد موجود ہوتی ہے، جو اور عام انسانوں میں نہیں ہوتی اور اسی کے نتیجہ میں یہ حضرات ان چیزوں پر تصرف کے ماذون ومختار ہیں، جن کا تعلق فوق الفطری امور سے ہے۔

چناں چہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں زیر آیت: ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ [البقرة: ۳۰] تحریر فرماتے ہیں:

بہ تحقیق من گردانیدہ ام در زمین خلیفہ را کہ خلافت من نماید و در اشیاءِ زمین تصرف کند، وچوں تصرف در اشیاءِ زمین بدون تصرف در اسبابِ آں اشیا کہ مربوط بہ آسمان است متصور نیست، پس ہر چند کہ آں خلیفہ از عناصر زمین پیدا شود و در محل کون و فساد ساکن و مستقر گردد، اما در وے روحِ آسمانی نیز خواہم دمید کہ بسبب آں روح بر سکان آسمان و مؤکلان کواکب نیز حکمرانی نماید و آنہا را بکار خود مصروف سازد۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خلیفۂ الٰہی ہوتا ہے اس کو زمین و آسمان کی چیزوں پر تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس کی تخلیق اگرچہ عناصر زمین سے ہوتی ہے اور وہ عالم کون و فساد میں سکونت پذیر ہوتا ہے مگر اس میں روح آسمانی (نفس قدسی) کی کار فرمائیاں بھی ہوتی ہیں، جن کے نتیجے میں وہ آسمان کی رہنے والی مخلوقات اور ستاروں پر متعیّنہ فرشتوں پر بھی اپنا حکم نافذ کرتا ہے اور ان کو اپنے کام میں لگاتا ہے — پھر فرماتے ہیں:

باز اورا قدر ثابت دادند کہ نمونۂ قدرت خود است باں معنی کہ چناں کہ قدرت کاملۂ الٰہی سبب وجود حقائق متاصل لآثار است، ہم چناں قدرتِ ایں خلیفہ بجمع و تفریق و تحلیل و ترکیب و حکایت و تصویر سبب مصنوعات بے شمار گردد پس در جمیع و صفات و آثار آنہا حکائیًا و انموذج صفات علیائے الٰہی گشت و معنی خلافت متحقق شد۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ کو ایسی قدرت سے سرفراز فرماتا ہے جو اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ حقائق واقعیہ کے وجود کا سبب ہے۔ اسی طرح خلیفہ کی قدرت جمع و تفریق تحلیل و ترکیب، اور حکایات و تصویر میں بے شمار مصنوعات کا سبب ہے پس وہ خلیفہ اپنی تمام صفات اور

آثار وصفات الٰہیہ کا نمونہ اور مظہر ہوا کرتا ہے۔ اور یہی خلافتِ الٰہی ہے۔

اس سے پتا چلا کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے فوق الفطری قوت واختیار ماننا ایک ایسا امر ہے جس کے بغیر ان کے خلیفۃ اللہ ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر یہ شرک مان لیا جائے، جیسا کہ ان مدعیانِ توحید کا خیال ہے تو لازم آئے گا کہ پھر یہ حضرات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام خلافتِ الٰہی کر مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہی نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں خود ان مدعیانِ توحید کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے کائنات عالم پر من جانب اللہ تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مختار ہوا کرتے ہیں۔ چناں چہ "صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں:

ارباب ایں مناسبِ رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت می باشند و ایں کبار اُولی الاَیدی والابصار امی رسد کہ تمامی کائنات را بسوئے خود نسبت می نماید، مثلاً ایں را میں رسد کہ بگویند از عرش تا فرش سلطنتِ ماست۔[1]

یعنی جو حضرات ان مناصب رفیعہ پر فائز ہوتے ہیں وہ من جانب اللہ اس بات کے ماذون مطلق ہوتے ہیں کہ وہ عالم مثال یعنی برزخ اور عالم شہادت یعنی دنیا پر تصرف کریں۔ اور ان علم وقدرت والوں کو حق ہے کہ تمام عالم کو اپنی جانب منسوب کریں۔ مثلاً ان کو حق ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک میری سلطنت ہے۔

اسی میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اکابر ایں فریق در زمرۂ ملائکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از

(۱)....صراطِ مستقیم، ص: ۱۱۲.

جانبِ ملاء اعلیٰ شدہ ودر اجرائے آں میکوشند معدود اند"۔[1]

یعنی گروہِ صوفیہ کے اکابریں ملائکہ مدبرات الامر کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں جو ملاء اعلیٰ کی جانب سے تدابیر امور میں مصروف ہیں۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے فوق الفطری امور پر تصرف واختیار کا ماننا خود ان مدعیانِ توحید کے پیشوا کو بھی تسلیم ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ ایک دوسری کتاب (تقویۃ الایمان) میں اپنے اسی تسلیم کردہ نظریہ کو شرک بھی قرار دے دیا ہے۔

اور اسی کی موافقت کرتے ہوئے آج کل کے یہ مدعیانِ توحید انھیں اپنا قائد اور امام سمجھتے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی اس قدرت و اختیار کو خداداد قدرت واختیار ماننے کے باوجود بھی اسے شرک اور منافیِ توحید قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عہد رسالت کے مشرکین کا اصل شرک یہی تھا کہ وہ اپنے معبودوں میں خداداد فوق الفطری قوت مانتے تھے۔

ہم نے اس کتاب میں ان مدعیانِ توحید کے اس الزام کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں۔ اور یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ لوگ خود شرک و توحید کا معنی سمجھنے سے قاصر رہے ہیں — اور یہ جان ہی نہ سکے کہ عہد رسالت کے مشرکین کا اصل شرک کیا تھا۔ وہ بزعم خویش اپنے نظریۂ توحید کو اسلامی نظریۂ توحید سمجھ رہے ہیں۔ حالاں کہ وہ اسلامی توحید نہیں، بلکہ ابلیسی فریب اور وسوسہ ہے، جو سراسر انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی قرار واقعی عظمت کی تنقیص پر مبنی ہے۔

صحیح اسلامی توحید میں جہاں یہ ضروری ہے کہ خدائے واحد کی وحدانیت شرک

---

(1)....صراطِ مستقیم، ص: ۳۸.

کی آلودگیوں سے پاک اور محفوظ رہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی قرار واقعی عظمت کا پہلو بھی شائبہ تنقیص سے پاک وصاف رہے۔

جہاں تک معتقدات اہل سنت، مثلاً انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور بزرگان دین کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے وسیلہ بنانے کا تعلق ہے وہ اس امر کے اثبات پر موقوف ہے کہ ان کے لیے فوق الفطری امور پر تصرف کی قدرت ثابت ہو۔

اس لیے ہم نے اس کتاب میں صرف ان حضرات کے لیے فوق الفطری قدرت اور اختیار کی بنیادی بحث پر اکتفا کیا ہے۔ کیوں کہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ انبیاے کرام اور اولیاے عظام کے لیے خداداد فوق الفطری قوت واختیار کا ماننا شرک نہیں ہے تو اس پر مبنی ان سارے مسائل کے بارے میں بھی یہ واضح ہو جائے گا کہ ان کو شرک سے قطعی کوئی لگاؤ نہیں ہے اس لیے کہ یہ سارے مسائل اسی کے فروع اور شاخیں ہیں۔

اب اس سلسلہ میں ہم قارئین کتاب ہذا سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنی گراں قدر رائے سے نواز کر ہمیں ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

(مصنّف)
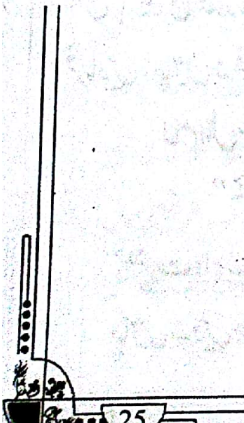
آغاز کلام

علماے اہل سنت اور بعض اہلِ باطل کے درمیان اس مسئلہ میں ایک زبردست اور بنیادی اختلاف ہے کہ معجزات و خوارق عادات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے زیرِ قدرت و اختیار ہیں کہ نہیں؟ بعض اہل باطل یعنی علماے غیر مقلدین اور بعض دوسرے مکتب فکر کے علما اس بات کے قائل ہیں کہ معجزات و خوارق عادات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے زیرِ قدرت و اختیار نہیں ہیں کیوں کہ معجزات و خوارق عادات کا تعلق فوق الفطری قوت و اختیار سے ہوا کرتا ہے۔ اور یہ قوت و اختیار اگرچہ خداداد ہی ہو، کسی غیر اللہ کے لیے ماننا صریح شرک ہے، اور یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔

علماے اہل سنت کا کہنا ہے کہ یہ ہرگز شرک نہیں ہے، نہ کسی غیر اللہ کے لیے خداداد فوق الفطری قوت کا ماننا شرک ہے، اور نہ یہ مشرکین عرب کا شرک تھا۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ خداوند قدوس جلّ وعلا نے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو اس بات کی قدرت و طاقت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہیں معجزہ و خرق عادت ظاہر فرمادیں، چاہیں نہ فرمائیں۔

امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"جس طرح عام آدمیوں کو ظاہری حرکات و ادراکات کے اختیارات حضرت واہبُ العطیات نے بخشے ہیں کہ جب چاہیں دست و پا کو جنبش دیں، چاہیں نہ دیں جب چاہیں آنکھ کھول کر کوئی چیز دیکھ لیں، چاہیں نہ دیکھیں۔ اگرچہ

بے خدا کے چاہے وہ کچھ نہیں چاہ سکتے اور وہ چاہیں اور خدا نہ چاہے تو ان کا چاہا
ہوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ عطائی اختیارات اس کے حقیقی ذاتی اختیار کے حضور
کچھ نہیں چل سکتے۔ بعینہ یہی حالت حضرات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام
کی دربارۂ معجزات وادراک مغیبات ہے کہ رب عزوجل نے انھیں ظاہری جوارح و
سمع وبصر کی طرح باطنی صفات وہ عطا فرمائی ہیں کہ جب چاہیں خرق عادات
فرمادیں۔ مغیبات کو معلوم فرمادیں چاہیں نہ فرمائیں۔ اگرچہ بے خدا کے چاہے
نہ وہ چاہ سکتے ہیں نہ بے ارادۂ الٰہیہ ان کا ارادہ کام دے سکتا ہے"۔[1]

یہ ہے معجزات و خوارق عادات کا انبیاے کرام علیہم السلام کے زیر قدرت
[و] اختیار ہونے کا مفہوم جو امام اہل سنت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بیان فرمایا ہے۔
[ا]ب بتائیے اس میں کون سی بات شرک کی ہے؟ مگر برا ہو جذبۂ تنقیص انبیا کا کہ جب
[ب]ھی انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی فضیلت و بزرگی اور ان کی قرار واقعی عظمت کی
[ب]ات آجاتی ہے تو یہ اہل باطل اپنے جذبۂ تنقیص کی بنا پر کسی نہ کسی انداز میں اس کی
مخالفت کر بیٹھتے ہیں۔

آج سے کئی سال قبل کی بات ہے کہ بنارس میں علماے اہل سنت کا علماے
غیر مقلدین کے ساتھ ایک زبردست مناظرہ ہوا جس میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی
[ت]ھی۔ اور علماے غیر مقلدین نے علماے اہل سنت کے اس نظریہ پر شرک کا الزام عائد
[ک]یا تھا، علما نے ان لوگوں کو دے دیا تھا۔ مگر جب مناظرہ ختم ہوا اور ان علماے غیر
مقلدین نے اس کی روداد بنام (رزم حق و باطل) شائع کی تو اس میں صرف فریقین کی
تحریر کی اشاعت ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ جابجا علماے اہل سنت کی تحریر پر حاشیے بھی

(1)....الامن والعلیٰ، ص: ۱۷۰.

لگائے۔ اور عام لوگوں کو غلط تاثر دینے کی کوشش کی اور خصوصیت کے ساتھ معجزات
انبیا کے بارے میں علمائے اہل سنت کے مذکورہ بالا عقیدہ پر شرک کا الزام عائد کر
اور ان حضرات علمائے کرام کو مشرک ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے ضروری ہو
کہ ان لوگوں کی جانب سے لگائے گئے الزام کا بھرپور جواب سپرد قلم کیا جائے
اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے معجزات و خوارق عادات کے سلسلے میں ج
اختلاف ہے اس پر سیر حاصل گفتگو کرلی جائے۔

علمائے غیر مقلدین کی دلیل اور اس کا تنقیدی جائزہ

علمائے غیر مقلدین نے اپنے دعویٰ پر دلیل لاتے ہوئے قرآن کریم کی چ
آیتیں پیش کی ہیں، جن میں سے کچھ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْ
الْعَلِيْمُ ﴾[الزخرف:۹]

اور اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ کس نے زمین اور آسمان بنائے تو ضرو
کہیں گے انھیں بنایا عزت والے اور علم والے نے۔

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ
يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ
فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾[یونس:۳۱]

تم فرماؤ تمھیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے، اور کون مالک ہے کان
اور آنکھوں کا، اور کون نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے، اور کون تما
کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ تو اب کہیں گے کہ اللہ، تم فرماؤ تو کیوں نہیں ڈرتے۔

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾[المؤمنون:٨٤-٨٧]

تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو، اب کہیں گے اللہ کا، تم فرماؤ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور بڑے عرش کا، اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے، تم فرماؤ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔

﴿ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ ﴾[المؤمنون:٨٨-٨٩]

تم فرماؤ کس کے ہاتھ ہے ہر چیز کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے، اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمھیں علم ہو، اب کہیں گے یہ اللہ کی شان ہے، تم فرماؤ کس جادو کے فریب میں پڑے ہو۔

ان آیات قرآنی کو اور ان کے علاوہ اسی مضمون کی اور دیگر آیات کو نقل کرنے کے بعد اپنے دعویٰ پر ان علماے غیر مقلدین نے یوں دلیل پیش کی ہے۔اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتے تھے بلکہ کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مُدبّر اسی کو مانتے تھے۔انھیں اقرار تھا کہ وہ جسے چاہے بچالے، دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔اور وہ جسے چاہے پکڑ لے دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی۔ پھر سوال یہ ہے کہ وہ مشرک کیوں قرار دیئے گئے۔قرآن میں اس کا جواب صاف صاف یہ دیا گیا ہے کہ وہ لوگ کچھ ہستیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انھیں اللہ کی طرف سے فوق الفطری طاقت دی گئی ہے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہستیاں اللہ سے سفارش کر کے ہماری مرادیں پوری کرا دیتی ہیں۔[1]

---

(1)......رزم حق و باطل، ص:٣٧.

حالاں کہ یہ قرآن کریم پر زبردست افترا ہے۔ قرآن میں کہیں بھی یہ نہیں آیا ہے کہ عہد رسالت کے مشرکین کا یہ شرک تھا کہ وہ لوگ کچھ ہستیوں کے بارے میں اس بات کے قائل تھے کہ انھیں خدا کی جانب سے فوق الفطری طاقت دی گئی ہے، بلکہ ان تمام آیتوں سے جن کو ان لوگوں نے دلیل میں پیش کیا ہے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ مشرکین خدا کے قائل تھے اور اس کو خالق، رازق اور مدبر سمجھتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ خدا جو چاہے اس کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

مگر اِن تمام آیات میں کہیں اشارۃً بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ اِن مشرکین کا اصل شرک ان کا اپنے معبودوں میں خداداد فوق الفطری قوت کا ماننا تھا۔

مجھے سخت حیرت ہے، یہ عالِم کہلانے والے حضرات آج تک قرآن و حدیث کو پڑھ کر یہ نہیں جان سکے کہ عہد رسالت کے مشرکین کا شرک کیا تھا؟ حالاں کہ خود قرآن کی ان آیات میں (جن کو علماے غیر مقلدین نے پیش کیا ہے) بعض وہ ہیں جن کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا شرک کچھ اور تھا۔ وہ اپنے معبودوں کو خدا کی اولاد سمجھتے تھے۔ نظام کائنات کی تدبیر اور انتظام میں ان کو خدا کا شریک اور مددگار سمجھتے تھے۔

چناں چہ سورۂ زخرف کی یہ آیت:

﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ [الزخرف:۹]

جن کو ان لوگوں نے دلیل میں پیش کیا ہے، اور ماقبل میں ہم اسے نقل بھی کر چکے ہیں، اس کی چند آیتوں کے بعد قرآن نے ان کے مشرکانہ عقیدہ کو بھی ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خدا کی اولاد کے قائل تھے۔

وہ آیت کریمہ یہ ہے:

﴿ وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ﴾ [الزخرف: ۱۵]

اور ان مشرکین نے خدا کے بعض بندوں کو اس کی اولاد قرار دے دیا۔

اسی طرح سورۂ مومنون کی یہ آیت کریمہ:

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ ﴾[المؤمنون: ۸۴-۸۹]

جن کو ان علماے غیر مقلدین نے دلیل میں پیش کیا ہے۔ (اور ماقبل میں ہم اسے بھی نقل کر چکے ہیں) اگر اس کے سیاق وسباق کو پیش نظر رکھیے تو معلوم ہوگا کہ یہ مشرکین اپنے معبودوں کو الٰہ، اور نظام کائنات کی تدبیر میں خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے خدا کی قدرت کو محدود اور ناقص سمجھ لیا تھا، جس کے نتیجے میں ان لوگوں نے حشر اجساد کا انکار کیا اور چوں کہ ان کے نزدیک خدا کی قدرت محدود تھی۔ لہذا مجبوراً ان لوگوں نے نظام کائنات کی تدبیر میں اور خداؤں کو گڑھ لیا۔

چناں چہ سورۂ مؤمنون کی منقولہ بالا آیاتِ کریمہ سے پہلے جو آیتیں ہیں، اور جن کا تعلق انہی منقولہ بالا آیات سے ہے، ان میں ان کے اسی خیال کو ذکر کیا گیا ہے وہ آیتیں یہ ہیں:

﴿ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾[المؤمنون: ۸۲-۸۳]

بولے جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، کیا پھر نکالے جائیں گے — بے شک یہ وعدہ ہم کو اور پہلے سے ہمارے باپ دادا کو دیا گیا ہے یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں۔

اِن آیات کے بعد سورۂ مؤمنون کی وہ آیتیں ہیں جن کو مؤلف ”رزم حق و

باطل" نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا ہے، اور جن کو ہم ابھی ابھی ماقبل میں نقل بھی کر چکے ہیں۔ پھر ان آیات کے بعد یہ آیتیں ہیں:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾﴾ [المؤمنون: ۹۱-۹۲]

اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہیں فرمایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی کو دوسرا خدا، یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر تعلّی چاہتا۔ پاکی ہے اللہ کو ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں جاننے والا ہر نہاں و عیاں کا تو اسے بلندی ہے ان کے شرک سے۔

سورۂ مؤمنون کی ان آیات کو سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ یہ ان مشرکین کے بارے میں ہیں جو حشر اجساد کے منکر تھے۔ اور خدا کی قدرت کو محدود اور ناقص سمجھتے تھے۔ اور وہ خدا کے لیے اولاد کے قائل تھے۔ اور خدا کے ساتھ اور خداؤں کے بھی معتقد تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب حضور نبیِ کریم علی الصلاۃ والتسلیم نے توحید کا اعلان فرمایا تو تعجب کے انداز میں کہا:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ — کیا اس محمد نے چند خداؤں کو ایک خدا کر دیا۔

یعنی اتنی بڑی عظیم کائنات کو تنہا ایک خدا کیوں کر چلا سکتا ہے — تعدد الٰہ کا یہ نظریہ ان کے دل و دماغ پر اس درجہ مسلط تھا کہ جب ان کے سامنے صرف خدائے برحق کا ذکر کیا جاتا تو وہ افسردہ خاطر ہو جاتے تھے۔ اور جب ان کے خود ساختہ معبودوں کا ذکر کیا جاتا تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔

چناں چہ ان کے اس حال کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے:

﴿وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ [زمر: ۴۵]

اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو دل سمٹ جاتے ہیں ان لوگوں کے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔اور جب اس کے (خدا کے) سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے، تو پھر خوب خوشیاں مناتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان کا شرک اپنے معبودوں کے بارے میں خدا داد فوق الفطری قوت ماننے کا عقیدہ نہیں تھا، بلکہ ان کا شرک تعدد الٰہ کا نظریہ تھا اور خدا کے لیے اولاد ماننے کا عقیدہ تھا۔ان کا شرک خدا کی قدرت کو ناقص اور محدود سمجھ کر نظام کائنات کی تدبیر میں اپنے معبودوں کو خدا کا شریک اور مددگار سمجھنا تھا۔لہذا ان آیات قرآنیہ کو جو خالص مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ہم مسلمانوں پر چسپاں کرنا بالکل خارجیوں والا انداز ہے کہ قرآن کی ان آیات کو جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں آئی ہے ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے۔اسی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کو "شِرارُ خَلْقِ اللہ" یعنی "خدا کی بدترین مخلوق" کہا کرتے تھے۔

بخاری شریف میں ہے:

"کان ابن عمر یراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الیٰ آیات نزلت في الکفار فجعلوها علی المؤمنین."[1]

حضرت ابن عمر خوارج کو شرار خلق اللہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ وہ ہیں، جو کافروں کے بارے میں نازل شدہ آیتوں کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

مؤلف "رزم حق و باطل" نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حدیثِ رسول کو بھی دلیل بنایا ہے۔لکھتے ہیں:

(1)....احمدی،ص:١٠٢٤.

صحیح مسلم (ج:١،ص:٣٧٦،کتاب الحج باب التلبیه وصفتها ووقتها) میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین حالت طواف میں تلبیہ کہتے ہوئے "لاشريك لك لبيك" کے بعد یہ بھی کہتے تھے "اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ" یعنی اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو تیرے لیے ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی مالک ہے جو اس شریک کے اختیار میں ہے۔

اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد انھوں نے دلیل قائم کی ہے۔

ایک خاص قسم کے شریک علاوہ باقی کسی کے شریک ہونے کی نفی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کو کسی ایسی طاقت میں اللہ کے ساتھ شریک مانتے تھے، جس طاقت میں وہ خود بھی دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین اپنے معبودوں میں جو کچھ، اور جتنی کچھ قوت اور اختیار مانتے تھے اس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہ اختیار انھیں بالذات حاصل نہیں ہے۔ اور نہ وہ ازخود اس قوت و اختیار کے مالک ہیں، بلکہ یہ قوت و اختیار سراسر اللہ کا عطا کردہ ہے، اور اسی کی ملک ہے۔ یعنی ان معبودوں کی قوت ذاتی نہیں، بلکہ عطائی ہے۔ اور یہی ان آیات کا تقاضا بھی ہے، جن میں مشرکین کا یہ کھلا ہوا اقرار ذکر کیا گیا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے۔[1]

یہ جو کچھ مؤلف "رزم حق و باطل" نے صحیح مسلم کی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اس کو اس حدیث سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ سراسر حدیثِ رسول کی معنوی تحریف ہے۔ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین

(1)…رزم حق و باطل،ص:٤٤۔

خدا کے وجود کے قائل تھے۔ اور وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کو اور ان کی تمام ملکیت کو اللہ ہی کی ملکیت سمجھتے تھے۔ اور اس کے باوجود اپنے معبودوں کو خدا کا شریک بھی سمجھتے تھے۔ اس حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ آخر وہ اپنے معبودوں کو کس چیز میں خدا کا شریک سمجھتے تھے۔

آخر مؤلفِ "رزم حق و باطل" نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ مشرکین اپنے معبودوں کو خداداد فوق الفطری قوت میں خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ اس پر حدیث کا کون سا لفظ دلالت کرتا ہے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مشرکین نظام عالم کی تدبیر میں اپنے معبودوں کو خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ کیا قرآن میں مشرکین کی یہ بات نہیں ذکر کی گئی ہے کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ کی دعوتِ توحید پر یہ کہا تھا:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ - کیا اس محمد نے چند خداؤں کی جگہ ایک خدا کر دیا۔

یعنی اتنی بڑی وسیع و عریض کائنات کا نظام تنہا ایک خدا کیوں کر چلا سکتا ہے۔ ہر چند کہ وہ معبودوں کو اور ان کی تمام ملکیت کو خدا ہی کی ملکیت سمجھتے تھے۔ مگر ان کا شرک یہ رہا ہو کہ وہ نظام کائنات کی تدبیر میں خدا کو ناکافی سمجھتے رہے ہوں، اور اپنے ان جھوٹے خداؤں کو نظام کائنات کے چلانے میں خدا کا شریک قرار دیتے ہوں۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ مان بھی لیں کہ ان مشرکین کا شرک خداداد فوق الفطری قوت کا عقیدہ تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو مشرکین فرشتوں کو اپنا معبود سمجھتے تھے ان میں وہ کون سی فوق الفطری قوت مانتے تھے، جب کہ فرشتوں کو معبود سمجھنے والے مشرکین خدا کے قائل بھی تھے، اور اس کی خالقیت کے معترف بھی تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ مشرکین فرشتوں کو مدبر عالم مانتے تھے اور اس کا تعلق فوق الفطری قوت سے ہے، تو میں کہوں گا کہ یہ خود قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ آیا ہے:

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾[النازعات:۵]

قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو کام کی تدبیر کرتے ہیں۔

لہذا یہ کیوں کر شرک ہو سکتا ہے؟ اور جہاں تک فرشتوں کے فضا میں آنے جانے، اور کہیں سے کہیں پہنچ جانے کی بات تو اس کو خود مؤلفِ "رزم حق و باطل" بھی تسلیم کر چکے ہیں۔

چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

مخلوقات کی فطری قوت کے دائرے مختلف اور متفاوت ہیں۔ انسان کی فطری قوت کے دائرے میں کئی ایسی چیزیں شامل ہیں جو جانوروں کو حاصل نہیں، مثلاً نطق و عقل وغیرہ اسی طرح فرشتوں اور جنوں کی فطری قوت میں کئی ایسی چیزیں شامل ہیں جو انسان کو حاصل نہیں، مثلاً فضا میں آنا جانا، اور آناً فاناً کہیں سے کہیں پہنچ جانا۔[1]

لہذا فرشتوں کے فضا میں آنے جانے اور آناً فاناً کہیں سے کہیں پہنچ جانے کو وہ فوق الفطری قوت کا نتیجہ مان نہیں سکتے کیوں کہ یہ ان کے نزدیک شرک ہے۔ اب ایسی صورت میں مؤلف "رزم حق و باطل" مجھے یہ بتائیں ک جب ان مشرکین کا شرک ان کے نزدیک خداداد فوق الفطری قوت کا عقیدہ تھا تو فرشتوں کو معبود سمجھنے کے سلسلہ میں وہ کون سی فوق الفطری قوت مانتے تھے جو ان کا اصل اور بنیادی شرک تھا۔ ماننا پڑے گا کہ خداداد فوق الفطری قوت کا عقیدہ ہرگز ہرگز شرک نہیں ہے، اور نہ یہ مشرکین عرب کا شرک تھا۔

(1)....رزم حق و باطل، ص:۱۰۱.

منکرِ معاد[1]

مشرکین عرب کا وہ طبقہ جو قیامت اور حشرِ اجساد کا منکر تھا۔ وہ اگرچہ خدا کا قائل تھا۔ اور اس کی خالقیت اور مالکیت کا بھی معترف تھا۔ مگر اسی کے ساتھ ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ خدا کو کائنات کے جزئی امور کا علم نہیں ہے۔ لہذا وہ جسم زید کے منتشر اجزا کو جسم بکر کے منتشر اجزا سے تمیز نہیں دے سکتا، وہ عاصی اور مطیع کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ ان تمام کا تعلق جزئی امور کے علم سے ہے۔ اور جزئی امور کا علم وہ خدا کے لیے مانتے ہی نہیں، لہذا ان کے نظریہ کی رو سے خدا کائنات کے جزئی امور پر تصرف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے ان مشرکین نے کائنات کے جزئی امور پر تصرف کرنے اور ان کی تدبیر و انتظام کے لیے اس ایک خدا کے علاوہ اور خدا مان لیے۔ اور اس طرح تعددِ اِلٰہ کا نظریہ ان لوگوں نے قائم کر لیا، تو قرآن نے اس کی نفی فرمائی اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾[الأنعام:۳]

وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا، اسے تمھارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے، اور تمھارے سب کام جانتا ہے۔

اس آیت کے تحت "تفسیر کبیر" میں امام رازی فرماتے ہیں:

إعلم ان منكرى المعاد انما انكروه لامرين احدهما انهم يعتقدون ان المؤثر في حدوث بدن الإنسان هو

(1)…… معاد: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔

امتزاج الطبائع وينكرون ان يكون المؤثرفيه قادراً مختاراً، والثاني انهم يسلمون ذلك لأنهم يقولون انه غير عالم بالجزئيات فلايمكنه تميز المطيع من العاصى ولاتميزاجزاء بدن زيد عن اجزاء بدن عمرو ثم انه تعالیٰ اثبت بالآيتين المتقدمتين كونه قادراً مختاراً الاعلة موجبة واثبت بهذا الآية كونه تعالیٰ عالماً بجميع المعلومات فحينئذٍ تبطل جميع الشبهات التي عليها مدار القول بانكار المعاد وصحة الحشر والنشر.[1]

اور معلوم ہونا چاہیے کہ منکرین معاد نے معاد کا انکار دو باتوں کی وجہ سے کیا ہے، ایک توان لوگوں نے اس بات کا اعتقاد کر لیا کہ بدن انسان میں موثر طبیعتوں کا امتزاج ہے۔ اور اس بات کے منکر ہوئے کہ اس میں کوئی قادر و مختار ہستی موئثر ہے، دوسری یہ کہ یہ لوگ اتنا تسلیم کرتے تھے کہ بدن انسان کے حدوث میں کوئی قادر و مختار ہستی موئثر ہے۔ مگر وہ یہ کہتے تھے کہ خدا جزئیات عالم کو نہیں جانتا، اس وجہ سے وہ مطیع اور عاصی کے درمیان تمیز کرنے پر قادر نہیں، اور نہ اس بات پر قادر ہے کہ بدنِ زید کے اجزا کو بدن عمرو کے اجزا سے تمیز دے سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پہلی دونوں آیتوں سے اپنا قادر و مختار ہونا ثابت کیا۔ اور علتِ تامہ ہونے کی نفی فرمائی۔ اور اس آیت سے اپنے لیے جمیع معلومات کا عالم ہونا ثابت کیا لہذا اس وقت منکرین معاد کے وہ تمام شبہات باطل ہو گئے جن پر معاد اور حشر و نشر کے انکار کا دارومدار تھا۔

اسی بنا پر قرآن نے ان منکرینِ معاد کے ان نظریات کا مختلف انداز میں ابطال فرمایا ہے ـــــ **کبھی فرمایا:**

(۱)....تفسیر کبیر، امام رازی، ٤/ ١٠.

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[الانبیاء:۲۲]

اگر زمین و آسمان میں چند خدا ہوتے تو ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

اور کبھی فرمایا:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[المؤمنون:۹۱-۹۲]

اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہیں فرمایا، اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے جاتا، اور ضرور ایک دوسرے پر تعلی چاہتا۔ پاکی ہے اللہ کو ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں۔ جاننے والا ہر نہاں و عیاں کا تو اسے بلندی ہے ان کے شرک سے۔

چوں کہ تعدّدِ الٰہ کے اس نظریہ میں ان کا تخیل بھی کار فرما تھا کہ خدا کائنات کے جزئی امور پر قدرت نہیں رکھتا ہے۔ اس لیے قرآن نے کبھی اِس حیثیت سے بھی ان کے تخیل کارد فرمایا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[زمر:٦٧]

اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ اور وہ قیامت کے دن سب زمینوں کو سمیٹ دے گا۔ اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے اور وہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے۔

اس آیت کریمہ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ منکرینِ معاد نے جس بنیاد پر معاد کا انکار کیا ہے۔ وہ ہے میری قدرت کو محدود اور ناقص سمجھنا، لہٰذا ان لوگوں نے میری قدر نہ کی جیسی میری قدر کرنی چاہیے تھی ویسی نہیں کی۔ اور نظام کائنات کی تدبیر

میں ان کا میرے علاوہ اور خداؤں کا ماننا چوں کہ میری قدرت کو محدود اور ناقص سمجھنے کے نتیجہ میں ہے۔ اس لیے میری ذات ان کے شرک سے پاک ہے، میری قدرت محدود نہیں۔ میری قدرت کی شان تو یہ ہے کہ قیامت کے دن میں زمین و آسمان کو لپیٹ دوں گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴾ [الاسراء:١١١]

اور فرما دیجیے سب خوبیاں اللہ کو جس نے بچہ اختیار نہیں فرمایا۔ اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور کمزوری سے اس کا کوئی حمایتی نہیں۔ اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو۔

قرآن نے ایک اور جگہ ان کے انھیں نظریات کا یوں ابطال فرمایا ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ۝ وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ۝ ﴾ [السبا:٢٢-٢٣]

تم فرماؤ پکارو! انھیں جنھیں اللہ کے سوا سمجھے بیٹھے ہو، وہ ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ ان دونوں میں ان کا حصہ ہے اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔ اور اس کے پاس شفاعت کام نہ دے گی مگر وہ جس کے لیے وہ اذن فرمائے۔ یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور کردی جائے گی تو ایک دوسرے سے کہیں گے تمھارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا۔ اور وہی ہے بلند، بڑائی والا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہ آیت کریمہ ہے جس کو مؤلفِ "رزم حق و باطل" نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا ہے۔ حالاں کہ یہ آیت کریمہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ عہد رسالت کے مشرکین اپنے معبودوں کو زمین و آسمان کی سلطنت میں خدا کا شریک اور حصہ دار سمجھتے تھے اور نظام عالم کی تدبیر میں خدا کا مددگار سمجھتے تھے، مگر بُرا ہو عداوت انبیا کا، مؤلف "رزم حق و باطل" کو مشرکین کا یہ شرک نظر نہیں آیا۔ اور انبیاے کرام علیہم السلام کی خداداد عظمت کو گھٹانے کے لیے ان کی قدرت علی المعجزہ کو شرک قرار دے دیا۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴾[الشعراء:۲۲۷]

اب آئیے یہ بھی معلوم کرلیا جائے کہ منکرینِ معاد نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ خدا کائنات کے جزئی امور کو نہیں جانتا، جس کے نتیجہ میں ان لوگوں نے جزئی امور کی تدبیر میں اپنے معبودوں کو خدا کا شریک بنا دیا تو اس کے متعلق حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کان من زندقتھم زعمھم ان اللہ اتخذ ملائکۃ بنات و ان ملائکۃ انما جعلوا واسطۃ لیکتسب الحق منھم علماً لیس عندہ قیاساً علی الملوك بالنسبۃ إلی الجواسیس.[1]

ان مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، اور یہ کہ فرشتے خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ تاکہ خدا ان کے ذریعہ ان باتوں کو معلوم کرلے جن کا اس کو علم نہیں۔ (پس ان لوگوں نے) خدا کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرلیا کہ وہ جاسوسوں کے ذریعہ حالات معلوم کیا کرتا ہے۔

(1)....حجۃ اللہ البازغہ، ۲۹۵.

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مشرکین نے یہ کیسے جانا کہ فرشتوں کا کوئی وجود ہے۔ اور خدائے تعالیٰ ان کے ذریعہ نظام عالم کی تدبیر کیا کرتا ہے۔ تو اس کے بارے میں شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومنشاء ذلك مانطقت به الشرائع من تفويض الامور الیٰ الملائكة واستجابة دعاء المقربين من الناس فظنوا ذلك تصرفاً منهم كتصرف الملوك قياساً للغائب على الشاهد وهو الفساد.[1]

زیر باب: ماكانَ عَلَيْه اهل الجاهلية.

اس کا منشا یہ تھا کہ اگلی شریعتوں میں فرشتوں کی جانب تفویض امور کی بات کہی گئی تھی، اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ تو اس سے ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سب کچھ خود انھیں کے تصرفات ہیں، جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے تو ان لوگوں نے قیاس کر لیا غائب کو حاضر پر، اور یہی فساد کا سبب ہوا۔

یعنی مشرکین کے شرک میں مبتلا ہونے کی وجہ در اصل ان کے یہ غلط اور فاسد خیالات اور قیاسات تھے کہ اگر خدا خود تنہا نظام کائنات کے چلانے پر قادر ہوتا تو فرشتوں کو تدبیر عالم کا کام کیوں سپرد فرمایا اگر وہ تنہا اپنی تمام مخلوقات کے احوال و جزئیات کو بلا واسطہ جاننے پر قادر ہوتا تو فرشتوں کے ذریعہ ان کے احوال و جزئیات کے بارے میں کیوں معلومات حاصل کرتا۔ پس جب وہ فرشتوں کے ذریعہ ان مخلوقات کے احوال و جزئیات کی معلومات حاصل کرتا ہے۔ اور نظام کائنات کی تدبیر ان کے ذریعہ کراتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے احوال

(1)....حجة الله البازغه، ٢٩٤.

وجزئیات کو بذاتِ خود نہیں جانتا۔ اس لیے اس نے اپنی مخلوقات کے احوال وجزئیات کو جاننے اور ان کے نظام کو چلانے کے لیے فرشتوں کو مقرر کردیا ہے۔

لہذا فرشتے نظام عالم کی تدبیر میں خدا کے شریک اور مدد گار ہیں۔ پس اس طرح ان لوگوں نے تعدّدِ الٰہ کا نظریہ یہ قائم کرلیا۔ جو سراسر ان کے غلط اور فاسد خیالات پر مبنی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے فرشتوں کو مرتبۂ عبدیت سے بلند اور برتر سمجھ لیا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر فرشتوں کو عبد کہا جائے تو وہ نفرت کرنے لگیں گے تو قرآن نے ایک جگہ اس حیثیت سے بھی ان کے اس غلط اور باطل عقیدہ کی نفی فرمائی ہے۔

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ [النساء: ۱۷۲]

مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا، اور نہ اس کے مقرب فرشتے۔

پس معلوم ہوا کہ ان مشرکوں اور اہل کتاب کا شرک دراصل ان کے یہ غلط اور فاسد خیالات تھے نہ کہ خداداد فوق الفطری قوت کا عقیدہ۔

شفاعت کا مشرکانہ نظریہ

انھیں فاسد خیالات میں سے شفاعت کے سلسلہ میں ان کا یہ مشرکانہ نظریہ تھا کہ یہ لوگ ان ہستیوں کو جن کو عبدیت سے بلند تصور کرتے تھے۔ اپنا شفیع خیال کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کی شفاعت سے اسی وقت بہرہ مند ہوسکتے ہیں، اور خدا کا قرب حاصل ہوسکتا ہے کہ جب ہم ان کی عبادت کریں۔

جیسا کہ قرآن مجید نے ان کے اس نظریہ کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [زمر: ۳]

ہم لوگ اس کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔
مشرکین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان اصنام کی جو ہم لوگ عبادت کرتے ہیں تو
اس سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ خدا کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں گے۔

جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸]

ہمارے یہ معبود اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں۔

تو قرآن نے ان کے اس نظریہ کی یوں نفی فرمائی:

﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ [السبا:۲۳]

اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دے گی مگر وہ جس کے لیے اذن فرمائے۔

یعنی اے مشرکو! تم لوگ جو ان خداؤں کی پرستش اس مقصد سے کرتے ہو کہ وہ خدا کی بارگاہ میں تمھاری سفارش کریں گے تو سُن لو! تمھاری یہ عبادت و پرستش بے سود ہے۔ اس لیے کہ یہ فرشتے جن کی تم عبادت کرتے ہو انھیں لوگوں کی شفاعت کریں گے، جن کی شفاعت کرنے کا ان کو خدا کی جانب سے اِذن ملے گا۔ اور خدا کی جانب سے انھیں لوگوں کے لیے اذن مرحمت ہو گا جو صرف خدائے برحق ہی کی عبادت کے قائل رہے ہوں گے۔ اس سے پتہ چلا کہ ان مشرکین کا شرک فی نفسہٖ شفاعت کا نظریہ نہیں تھا بلکہ ان کا یہ مشرکانہ نظریہ تھا کہ جو ہستیاں خدا کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والی ہیں وہ مرتبۂ عبدیت سے بلند ہیں۔ ہم ان کی شفاعت کے اسی وقت مستحق ہوں گے جب کہ ہم ان کی عبادت کریں گے۔

چناں چہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر کبیر" میں ایک جگہ مشرکین کے مختلف گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رابعها انه متیٰ مات منهم رجل کبیر یعتقدون فیه انه مجاب الدعوة ومقبول الشفاعة عندالله تعالیٰ اتخذوا صَنَماً علیٰ صورته یعبدونه علیٰ اعتقادِ ان ذلك الانسان یکون شفیعًا لهم یوم القیامة عندالله علیٰ ما اخبر الله تعالیٰ بهٰذه المقالة في قوله:﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ [یونس:۱۸].

(زیرآیت: ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا ؕ﴾ [البقرة:۲۲]).

چوتھی قسم یہ ہے کہ جب انسانوں میں سے کوئی بزرگ مرد کا انتقال ہوجاتا، جن کے بارے میں ان کا یہ اعتقاد ہوتا کہ وہ مستجاب الدعوۃ اور مقبول الشفاعت ہیں خدا کی بارگاہ میں تو، ان کی شکل کا بت بناکر بایں اعتقاد وہ ان کی عبادت کرتے کہ وہ قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی اس آیت میں خبر دی ہے۔﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ [یونس:۱۸].

مؤلف "رزم حق و باطل" نے ایک جگہ اس آیت کریمہ :﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ [یونس:۱۸] کو پیش کرکے مطلقًا یہ لکھ دیا۔

"چوں کہ مشرکین آخرت کے قائل نہ تھے۔ اس لیے مطلب یہ ہوا کہ دنیاوی مرادوں کی تکمیل کے لیے اللہ سے سفارش کردیتے ہیں"۔(1)

جو قطعی غلط ہے کیوں اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عرب کے جو مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب آخرت کے منکر تھے، حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ ان میں کچھ آخرت کے قائل بھی تھے۔

(1)....رزم حق و باطل، ۱۱۵.

خیر یہ ایک ضمنی بات تھی جو سلسلۂ کلام میں نکل آئی۔ گفتگو یہ چل رہی تھی کہ مشرکین کا نظریۂ شفاعت شرک اس لیے تھا کہ وہ اپنے شفاعت کنند گان کو مستحق عبادت سمجھتے تھے، نہ یہ کہ شفاعت کا نظریہ ہی فی نفسہ شرک ہے کیوں کہ یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ خدا کے نیک بندے شفاعت کریں گے۔ اور خدا کی بارگاہ میں ان کی شفاعت قبول ہوگی، جس پر قرآن و حدیث کے کثیر نصوص و شواہد موجود ہیں۔

اقسام شرک کی تفصیل

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر "فتح العزیز" میں اقسام شرک کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے:

تفصیلِ انواع شرک کہ در عالم واقع است این است کہ جماعتِ عالم را دو صانع اعتقادی می کنند، حکیمے کہ مصدر خیر و نیکہا است و سفیہے کہ مصدر شر و بدیہا است، و این جماعت را ثنویہ نامند، فرقۂ دوم کہ خود را صائبین نامند گویند کہ ہر چند وجوبِ وجود و علم و قدرت و حکمت خاص

اقسام شرک کی تفصیل، جو شرک کہ عالم میں واقع ہو چکا ہے۔ یہ ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت عالم کے لیے دو صانع مانتی ہے ایک حکیم جو خیر و نیکی کا مصدر و خالق ہے، دوسرے سفیہ جو شر اور بدی کا خالق ہے اس جماعت کو "ثنویہ" کہتے ہیں، دوسرا فرقہ جو اپنے کو صائبین کے ساتھ موسوم کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہر چند وجوب وجود اور علم و قدرت اور حکمت خدا کے لیے خاص ہے مگر

بخداست ، لیکن او تعالیٰ کارہاے عالم را بستارہاے آسمانی وابستہ گردانیدہ، وتدبیر خیر وشر را بایشاں تفویض فرمودہ، پس ما را می باید کہ ارواح ایں ستارہا را بغایت تعظیم پیش آییم وغایت تعظیم عبادت است تاکاروائی ما کنند، وفرقۂ سوم ہنود اند کہ روحانیت غیبیہ کہ مدبّر عالم اند کہ صورت ہاے رنگارنگ دارند از مادر پردہ وحجاب واقع اند، پس ما را می باید کہ صورت ہاے آں روحانیات را از اجسام خوش نمط مثل برنج ساختہ بہ تعظیم پیش آییم، تا روحانیات از ما راضی شوند۔ چہارم پیرپرستاں گویند چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت ومجاہدہ

اس نے اس عالم کا کاروبار آسمان کے ستاروں سے وابستہ کردیا۔ اور خیر وشر کی تدبیر ان کے سپرد کردی ہے۔ پس ہم لوگوں کو چاہیے کہ ان ستاروں کی روحوں کے سامنے غایتِ تعظیم کے ساتھ پیش آئیں (جب کہ غایتِ تعظیم ہی عبادت ہے) تاکہ یہ ہماری ضرورت پوری کریں، تیسرا فرقہ ''ہندوؤں'' کا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ غیبی روحانیت جو کہ مدبّر عالم ہیں اور قسم قسم کی صورتیں رکھتی ہیں، ہم لوگوں سے پوشیدہ ہیں، لہٰذا ہم کو چاہیے کہ ان روحانیات کی صورتوں کو پیتل اور تانبے کے مثل اور اچھے قسم کے اجسام سے تیار کرکے ان کے سامنے تعظیم کے ساتھ پیش آئیں۔ تاکہ یہ روحانیات ہم لوگوں سے راضی ہوں چوتھا فرقہ پیر پرستوں کا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی مرد بزرگ اپنے کمال ریاضت اور مجاہدہ

مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود از یں جہاں می گذرد و روح اورا قوت عظیم و وسعتے بس فخیم بہم رسد ہر کہ صورت اور ابرزخ سازد، یا در مکان نشست و برخاست او، یا بر گور او سجود و تذلل تام نماید روح او بسبب وسعت و اطلاق بر اں مطلع شود، و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید، پنجم جماعتِ از جہال گویند کہ حق تعالیٰ در ذاتِ خود منزّہ است، ازاں کہ اورا عبادت کسے تواند کرد، پس سبیل عبادت او آنست کہ مخلوقِ از مخلوقات اورا قبلۂ توجہ خود ساختہ شود تا آں کہ توجہ ما بسوے آں قبلہ عین توجہِ بسوے خدا گردد و مخلوقے کہ قابلیت ایں کار دارد خاص

کے سبب خدا کی بارگاہ میں مستجاب الدعوات ، اور مقبول الشفاعت ہوجاتا ہے اور اس دنیا سے انتقال کرجاتا ہے تو اس کی روح کو عظیم قوت اور انتہائی وسعت حاصل ہوجاتی ہے۔ لہذا جو کوئی اس کی صورت کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنالے، یا اس کی نشست و برخاست کی جگہ میں ، یا اس کی قبر پر سجدہ اور تذلل تام کا اظہار کرلے، تو اس کی روح بہ سبب وسعت و قدرت کے اس شخص پر مطلع ہوجاتی ہے۔ اور دنیا و آخرت میں اس کے حق میں شفاعت کرتی ہے۔ پانچواں فرقہ جاہلوں کا ہے، ان کا کہنا ہے کہ خداے تعالیٰ بذاتِ خود اس بات سے پاک اور منزّہ ہے کہ کوئی اس کی عبادت کرسکے۔ لہذا اس کی عبادت کی صورت یہ ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو اپنا قبلہ توجہ

بیک جنس نیست، بلکہ ہر چہ مشتمل بر خواص عجیبہ و غریبہ باشد قبلہ می تواند شد، مثل آب گنگ در دریا، ودرخت تلسی درمیاں درخت ہا وعلیٰ ہذا القیاس از اجناسِ حیوانات ونباتات ومعادن و کوہہا وپریاں قبلہ تراشیدہ اند و ہمیں است، مذہب عوام ہنود، انتہی ملخصًا۔[1] (زیر آیت: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ [البقرۃ:۲۲]).

بنالیا جائے، تاکہ اس قبلہ کی طرف توجہ بعینہٖ خدا کی جانب توجہ کا حکم رکھے اور وہ مخلوق جو اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کسی ایک جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر وہ مخلوق جو عجیب و غریب خواص پر مشتمل ہو، جیسے گنگا کا پانی دریاؤں میں، اور تلسی کا درخت درختوں میں، اور ایسے ہی از قسم حیوانات و نباتات اور معادن اور پہاڑ اور پریوں کو قبلہ توجہ بنالینا یہ مذہب عوام ہنود کا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس جگہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اقسامِ شرک کی تفصیل میں پیر پرست مشرکوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس لیے مولف ''رزم حق و باطل'' کو خوش نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ وہ پیر پرست مشرکین ہیں جو اپنے پیروں اور بزرگوں کو مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ اور ان کے حق میں غایت تعظیم کے اظہار کو جائز قرار دیتے تھے — جیساکہ ''تفسیر کبیر'' کے حوالہ سے ماقبل میں گزر چکا ہے اور شاہ صاحب کی عبارت (برگور او سجود و تذلل تام نماید) سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں خود مؤلف ''رزم حق و باطل'' کو بھی یہ تسلیم ہے کہ عرب کے بعض مشرکین خدا کے نیک بندوں کی پوجا کرتے تھے۔

(1)....''فتح العزیز'' تفسیر سورۂ بقرہ، ص:۱۲٤.

جیسا کہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

کہ کفار عرب کے معبودوں میں لات کا نام) سورۂ نجم میں آیا ہے۔اس کے متعلق صحیح بخاری (ص:۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قولہ :اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کان اللات رجلا یلت سویق الحاج. لات ایک آدمی تھا جو حاجی کا ستو گھولتا تھا۔[ص:۳۹]

پھر اس کے ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں:

قوم نوح کے لوگ جنھیں پوجتے تھے ان میں " وُد" "سُواع" "یغوث" "یعوق" اور "نسر" کے نام قرآن میں آئے ہیں۔ان کی بابت صحیح بخاری (ص: ۷۳۲، کتاب التفسیر باب وداً ولا سواعاً ولایغوث و یعوق ونسراً) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل روایت میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ سب بزرگ لوگوں کے نام ہیں۔ان کی وفات کے بعد ان کے بت بنائے گئے۔بت بنانے والے گزر گئے تو ان کی پوجا شروع ہوئی۔بعد میں یہ بت عرب کے مختلف قبائل میں منتقل ہو گئے۔(۱)

لہذا ان پیر پرست مشرکین کا حال ہمارے حال سے بے حد مختلف ہے،ان پر ہمارے حال کا قیاس قطعی درست نہیں،نہ ہمارا اعتقاد ان کے اعتقاد سے یکسانیت رکھتا ہے،اور نہ ہمارا عمل ان کے عمل سے،لہذا شرک در اصل ان مشرکین کا یہ نظریہ ہے کہ خدا کے یہ نیک بندے مستحق عبادت ہیں ان کا مقام عبدیت سے بلند ہے،اور

(1)۔۔۔۔رزم حق و باطل،ص: ٤٠.

اسی نظریہ کی بنا پر ان کا عمل غیر اللہ کی عبادت ٹھہرا۔ ورنہ پھر زیارتِ قبور ہی سراسر شرک ہو کر رہ جائے گی جب کہ حضور ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس پر تعامل چلا آرہا ہے۔ اور جہاں تک خدا کے نیک بندوں کو مُستَجابُ الدَّعوات، اور مقبول الشفاعت سمجھنے کی بات ہے تو یہ فی نفسہٖ شرک نہیں ہے۔

اہل کتاب کا شرک

اہلِ کتاب کی اصطلاح دو گروہوں کے لیے ہے۔ ایک یہودی دوسرے عیسائی، یہودی سے مراد وہ لوگ ہیں جو توریت کے ماننے کے دعویدار ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اور عیسائی سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں اور ان میں کئی فرقے ہیں۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ اور بعض فرقہ تو باقاعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو خدا کہتے ہیں۔ ان سب فرقوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے، ایک جگہ یوں آیا ہے:

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ [التوبۃ: ۳۰]

اور یہود نے کہا عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

ان دونوں فرقوں کا شرک یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو "ابن اللہ" قرار دے دیا کہ ان جلیل القدر ہستیوں کو عبدیت سے بڑھا کر الوہیت کے مرتبہ میں پہنچا دیا۔ کیوں کہ (بیٹا) باپ کی جنس سے ہوا کرتا ہے۔

اور عبد کو عبدیت سے بڑھا کر الوہیت کے مرتبہ میں پہنچا دینا کھلا شرک ہے۔ لہذا یہ ان دونوں فرقوں کا شرک ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو کس بنیاد پر ابن اللہ کہا؟ تو اس کی وضاحت علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں فرمائی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

انما قالوا ذلك لانه لما لم يبق فيهم بعد وقعة بخت نصر من يحفظ التوراة وهو لما احياه الله بعد مأة عام املى عليهم التوراة حفظاً فتعجبوا من ذلك وقالوا ما هذا الا ابن الله.[1]

یہودیوں نے ابنیت عزیر کی یہ بات اس بنا پر کہی کہ بخت نصر کے واقعہ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو توریت کا حافظ ہو، اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد زندہ فرمایا تو انھوں نے پوری توریت زبانی لوگوں کو لکھوا دی یہ دیکھ کر لوگ تعجب میں پڑ گئے۔ اور بولے یہ تو خدا کے بیٹے ہیں۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کیوں کہا؟ تو اس کے متعلق علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

انما قالوه استحالة لأن يكون ولد بلا اب أو لان يفعل مافعله من ابراء الاكمه والابرص واحياء الموتىٰ من لم يكن الٰهًا.[2]

عیسائیوں نے یہ بات اس بنا پر کہی کہ ان لوگوں نے بن باپ کے بچہ پیدا

(1)....تفسیر بیضاوی، ص: ٢٤٤.
(2)....تفسیر بیضاوی، ص: ٢٤٤.

ہونے کو محال سمجھ لیا، یا اس بات کو محال سمجھ لیا کہ جو خدا نہ ہو وہ یہ کام (یعنی مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، اور مردہ زندہ کرنا) کر لے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر جنسِ انسان سے ہوتے، تو جس طرح اور انسان پیدا ہوا کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ہوتے۔ اور جب اس طرح وہ پیدا نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ در حقیقت انسان نہیں، بلکہ خدا کے بیٹے ہیں۔ ان کا مقام عبدیت سے بلند وبالا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن اللہ'' کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان عیسائیوں نے اپنے طور پر اس بات کو ناممکن اور محال سمجھ لیا کہ جو خدا نہ ہو وہ اس قسم کے عجیب وغریب کام (یعنی مردہ زندہ کرنا، اور مادر زاد اندھے، اور کوڑھی کو اچھا کرنا) کر سکے۔ پس جب ان سے اس قسم کے عجیب وغریب کام کا صدور وظہور ہو رہا ہے تو یہ یقیناً عبدیت سے بلند کوئی ہستی ہے۔ خدا تو اس لیے نہیں کہا کہ ان کو حضرت مریم سے پیدا ہوتے دیکھا۔ اس لیے اب ان کے لیے یہی صورت تھی کہ ان کو خدا کا بیٹا کہیں۔ تو ان کا شرک در اصل ان کا یہ غلط تصور تھا کہ وہ عبدیت سے بالاتر ہیں۔ عیسائیوں کا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین خداؤں میں سے ایک مانتا تھا۔ یعنی ایک تو وہی خدا جس کو عام طور پر لوگ خدا کہتے ہیں۔ دوسرے حضرت عیسیٰ، اور تیسرے ان کی ماں حضرت مریم، ان عیسائیوں کو تثلیث پرست کہا جاتا ہے۔ نصاریٰ میں کچھ فرقے وہ بھی تھے جو معاذ اللہ خدا کو مرکب مانتے تھے ان کا کہنا تھا کہ خدا تین چیزوں سے مرکب ہے اب، ابن، روح القدس۔ جن کو وہ ''اقنوم ثلٰثہ'' کہتے تھے۔

جلالین کے حاشیہ میں بحوالہ تفسیر کبیر یہ ہے کہ تثلیث کا نظریہ دو تھا۔ ایک تو یہ کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ، اور خدا یہ تینوں خدا ہیں۔ دوسرا یہ کہ خدا ایک جوہر ہے، جس میں ''اقنوم ثلٰثہ'' یعنی اب، ابن، روح القدس پائے جاتے ہیں، اور یہ

تینوں مجموعی حیثیت سے خدا ہیں۔ اس نظریہ کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ جس طرح سورج ایک حقیقت ہے۔ اور وہ تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے ایک سورج کی ٹکیہ، دوسری دھوپ، تیسری حرارت، پس اس طرح خدا ایک ہے۔ مگر وہ تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اب یعنی ذات، ابن یعنی کلمہ، روح القدس یعنی حیات، اور ان تینوں میں سے ہر ایک انفرادی طور پر بھی خدا ہیں۔ قرآن میں ان لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ [المائدة:۷۳]

بے شک وہ لوگ کافر ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔

اور عیسائیوں میں جو لوگ حضرت عیسیٰ ہی کو باقاعدہ "اللہ" سمجھتے تھے، تو ان کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدة:۷۲]

بے شک وہ لوگ کافر ہیں، جنھوں نے کہا کہ اللہ تو وہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔

اِن دونوں گروہوں کا شرک اظہر من الشمس ہے۔ اور ان کے اس شرک میں مبتلا ہونے کی وہ وجہیں بھی ہیں، جو ابن اللہ کہنے والے عیسائیوں کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں۔

مگر اس جگہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بانی "جماعتِ اسلامی" مولوی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" کے حوالہ سے عیسائیوں کے شرک میں مبتلا ہونے کی وجہوں کا بھی ذکر کر دیا جائے، تاکہ مزید یہ معلوم ہو کہ ان عیسائیوں کا اصل شرک کیا تھا؟ یعنی کیا ان کا اصل شرک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خداداد فوق الفطری قوت کا عقیدہ تھا، یا کوئی اور امر تھا۔

وہ لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ عیسائی بہ یک وقت توحید کو بھی مانتے تھے، اور شلیث کو بھی، مسیح علیہ السلام کے جو صریح اقوال جو اناجیل میں ملتے ہیں ان کی بنا پر کوئی عیسائی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ان کے لیے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ توحید اصل دین ہے۔ مگر وہ جو ایک غلط فہمی ابتدا میں ان کو پیش آگئی تھی کہ "کلام اللہ" مسیح کی شکل میں ظہور کیا۔ اور "روح اللہ" نے اس میں حلول کیا اس کی وجہ سے انھوں نے مسیح اور روح القدس کی الوہیت کو بھی خداوند عالم کی الوہیت کے ساتھ ماننا خواہ مخواہ اپنے اوپر لازم کیا۔ اس زبردستی کے الزام سے ان کے لیے یہ مسئلہ ایک ناقابل حل چیستان بن گیا کہ عقیدۂ توحید کے باوجود عقیدۂ شلیث کو، اور عقیدۂ شلیث کے باوجود عقیدۂ توحید کو کس طرح نباہیں۔ تقریباً اٹھارہ سو برس سے مسیحی علما اس خود پیدا کردہ مشکل کو حل کرنے میں سر کھپا رہے ہیں۔ بیسوں فرقے اس کی مختلف تعبیرات پر بنے ہیں۔[1]

ج:۱، ص:۴۲۸ (زیر آیت: لاتقولوا ثلٰثۃ)

اور اس سے تقریباً ایک صفحہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" کہے جانے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

اصل میں لفظ "کلمہ" استعمال ہوا ہے۔ مریم کی طرف کلمہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مریم علیہا السلام کے رِحم پر یہ فرمان نازل کیا کہ کسی

(1)....تفہیم القرآن، از: مولوی ابو الاعلیٰ مودودی، ج:۱، ص:۴۲۸.

مرد کے نطفہ سے سیراب ہوئے بغیر حمل کا استقرار قبول کرے۔ عیسائیوں کو ابتداءً مسیح علیہ السلام کی پیدائش بے پدر کا راز یہی بتلایا گیا۔ مگر انھوں نے یونانی فلسفہ سے گمراہ ہوکر پہلے لفظ "کلمہ" کو نطق کا ہم معنی سمجھ لیا۔ پھر اس کلام و نطق سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت نے مریم علیہا السلام کے بطن میں داخل ہوکر وہ جسمانی صورت اختیار کی جو مسیح کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس طرح عیسائیوں میں مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا۔ اور اس غلط تصور نے جڑ پکڑلی کہ خدا نے خود اپنے آپ کو یا اپنی ازلی صفات میں سے نطق و کلام کی صفت کو مسیح کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔ یہاں خود مسیح کو "رُوْحٌ مِنْهُ" (خدا کی طرف سے ایک روح) کہا گیا۔ اور سورۂ بقرہ میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا۔ "اَیَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" ہم نے پاک روح سے مسیح کی مدد کی۔

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو پاکیزہ روح عطا کی تھی جو بدی سے ناآشنا تھی۔ سراسر حقانیت اور راست بازی تھی۔ اور از سر تا پا فضیلت اخلاق تھی۔ یہی تعریف آں جناب کی عیسائیوں کو بتائی گئی تھی۔ مگر انھوں نے اس میں بھی غلو کیا۔ "رُوْحٌ مِنَ اللّٰهِ" کو عین "رُوْحُ اللّٰهِ" قرار دے لیا۔ اور روح القدس کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی روح القدس تھی جو مسیح کے اندر حلول کر گئی تھی۔ اس طرح اللہ اور مسیح کے ساتھ ایک تیسرا خدا "روح القدس" بنا ڈالا۔ یہ عیسائیوں کا زبردست غلو تھا جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ (۱)

(1)....تفہیم القرآن، از: مولوی ابو الاعلیٰ مودودی، ج:۱، ص:۴۲۸، ۴۲۷.

اس میں مودودی صاحب نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ ان عیسائیوں کا اصل شرک یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں خداداد فوق الفطری قوت و اختیار مانتے تھے، بلکہ انھوں نے بھی اس حقیقت کو واضح کیا کہ ان کے شرک کی بنیاد ان کی وہ غلط فہمیاں تھیں جن کا ذکر سطور بالا میں گزر چکا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم کی یہ غلط فہمی عہد رسالت کے منافقین کو بھی ہوگئی تھی کہ ان لوگوں نے اطاعت کو عبادت کا ہم معنی سمجھ لیا تھا۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے لوگوں پر اپنی شان رسالت و نبوت کو ظاہر کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

من احبنی فقد احب اللہ ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ.

جس نے مجھ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

تو اس پر منافقین نے خود حضور اکرم ﷺ پر شرک کا حکم عائد کر دیا۔ اور کہا:

لقد قارف الشرك وهو ينهى عنه مايريد الا ان نتخذه ربا كما اتخذت النصارىٰ عيسىٰ عليه السلام ربًّا.[تفسير بيضاوي]

(زیر آیت: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰])

یہ تو شرک کے مرتکب ہو گئے۔ حالاں کہ وہ خود ہی اس سے منع کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ ان کو اپنا رب بنالیں، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ کے ان کلمہ پڑھنے والوں نے جب رسول کو نہیں چھوڑا اور ان پر بھی حکم شرک عائد کر دیا تو بھلا ہم غلامان رسول کو کہاں بخش سکتے ہیں۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی جو سامنے آگئی۔ گفتگو عیسائیوں کے مشرکانہ عقائد

اور نظریات کی چل رہی تھی کہ ان لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے ایک واقعی اور صحیح بات کو کس کس قسم کا مشرکانہ رنگ دیا ہے۔

علاوہ ازیں ان کا ایک مشرکانہ نظریہ اور بھی تھا، وہ یہ کہ ان لوگوں نے اپنے مذہب کے جوگیوں اور پادریوں کو "اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" بنالیا تھا۔ یعنی ان کو خدائی معنوں میں تحلیل و تحریم کا اختیار دے دیا تھا۔

چناں چہ قرآن نے ان کے اس نظریہ کو اس آیت میں ذکر کیا ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ [التوبة:٣١]

انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا، اور مسیح ابن مریم کو، اور انھیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں، اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، پاکی ہے اسے ان کے شرک سے۔

تفسیر مدارک میں ہے کہ جب قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ [آل عمران:٦٤]

تم فرماؤ! اے اہل کتاب آجاؤ ایک ایسے کلمے کی جانب جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے، یعنی یہ کہ ہم لوگ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں، اور ہم میں کوئی خدا کے سوا اور کو رب نہ بنائے۔

تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ "ماکنانعبدھم یا رسول اللہ" اے اللہ کے رسول! ہم لوگ تو ان احبار و رہبان کی عبادت نہیں

کرتے تھے تو سرکار عالم ﷺ نے فرمایا:

الیس یحلون لکم ویحرمون علیکم فتاخذون بقولھم.

کیا تمھارے احبار ورہبان تمھارے لیے چیزوں کو حرام وحلال نہیں کرتے تھے، پھر تم لوگ ان کی بات کو قبول کر لیتے تھے۔ تو انھوں نے عرض کیا کہ ہاں! ہم لوگ ایسا کرتے تھے تو حضور نے فرمایا: "ھُوَ ذَاکَ" یعنی اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ تم لوگ اپنے احبار ورہبان کو تحلیل وتحریم کا یہ حق دیتے تھے کہ وہ اپنے جی سے جس چیز کو چاہتے تھے حلال کر دیتے تھے اور جس چیز کو چاہتے تھے حرام کر دیتے تھے اور تم لوگوں کا ان کو یہ حق دینا ہی انھیں معبودیت کا درجہ دینا ہے تو ان لوگوں کا شرک یہ تھا کہ وہ اپنے احبار ورہبان کو خدائی معنوں میں تحلیل وتحریم کا حق دیتے تھے ورنہ جہاں تک حکم الٰہی اور خداداد اختیار سے کسی چیز کو حلال وحرام قرار دینے کی بات ہے تو یہ منصب حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو حاصل تھا۔

قرآن میں ہے:

﴿یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ [الاعراف:۱۵۷]

اس امی فرستادۂ الٰہی پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ توریت وانجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ اپنے پاس وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔ اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں، اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان پر سے بوجھ کو اور سخت تکلیفوں کے طوق کو جو ان پر ہے اتارتے ہیں۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ مطلقاً غیر خدا کی طرف تحلیل وتحریم کی نسبت

شرک نہیں ہے۔ شرک اس صورت میں ہے کہ کسی غیر اللہ کو بالاستقلال تحلیل و تحریم کا حق دیا جائے۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ جب اسلام نے مسلمانوں کو مردار کے کھانے کی ممانعت فرمائی تو فارس کے مجوسیوں نے قریش کو اس مضمون کی تحریر بھیجی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا عجب دین ہے کہ ایک طرف تو ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حکم خداوندی کو مانتے ہیں اور ان کا جو دین ہے وہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اور دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ جس جانور کو وہ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہیں وہ تو ان کے نزدیک حلال ہے اور جس کو خدا ذبح کرے (یعنی اس کے حکم سے مرجائے) وہ ان کے نزدیک حرام ہو جاتا ہے۔ جب یہ خبر مشرکین مکہ کو پہنچی اور ان لوگوں نے اس کا پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا تو کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے تذبذب میں پڑ گئے۔

تو اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۠ ﴾ [الأنعام:۱۲۱]

نہ کھاؤ اِن جانوروں کو جن پر (وقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بے شک وہ حکم عدولی ہے۔ اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو چپکے سے خبر دیتے ہیں، تاکہ تم لوگوں سے وہ بحث کریں، اور اگر تم لوگوں نے ان کی بات مانی تو تم لوگ بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

اس آیت نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ حکم خدا کے ہوتے ہوئے اس کے برخلاف کسی اور کے حکم کو ترجیح دینا، اور اس کو اچھا سمجھنا یہی " اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللہ " بنانا ہے، جو صریح شرک ہے۔

امام رازی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وفيه دليل علىٰ ان كل من احل شيئًا مما حرم الله تعالىٰ او حرم شيئاً مما احل الله تعالىٰ فهو مشرك وانما سمى مشركاً-لانه اثبت حاكما سوى الله تعالىٰ وهذا هو الشرك.[1]

اور یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جو کوئی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال، یا حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے تو وہ مشرک ہے۔اور اس کے مشرک قرار دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کو حاکم قرار دیا اور یہ کھلا شرک ہے۔

چناں چہ اہل کتاب اپنے احبار و رہبان کو اس اعتبار سے بھی " اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ الله " سمجھتے تھے، جس پر قرآن کی یہ آیت شہادت دے رہی ہے۔

﴿ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ [آل عمران:۷۸]

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے۔اور وہ اللہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

اور تفسیر مدارک میں زیر آیت: ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ ﴾ [المائدة:٤٢] بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:— یہود کے حکام رشوتیں لے کر حرام کو حلال کر دیا کرتے تھے۔اس سے پتہ چلا کہ یہود اپنے حکام کو تحلیل و تحریم کا حق دیتے تھے۔

(1)....امام رازی........،ج:٤،ص:١٤٣.

علاوہ ازیں ایک اور روایت سے اس کا مزید ثبوت ملتا ہے — اور وہ یہ ہے۔

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝۲۹﴾ [التوبۃ:۲۹]

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے، اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جذیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔

اس آیت کریمہ نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ اہل کتاب خدا کے حرام کردہ کو حرام نہیں مانتے تھے، جس کا لازمی پہلو یہ نکلتا ہے کہ خدا کے حرام کردہ کو وہ حلال جانتے تھے۔ اور خدا کے حرام کردہ کو حلال جاننا بلاشبہہ کفر ہے۔ اور کسی غیر خدا کو یہ حق دینا دوسرے لفظوں میں مستحقِ عبادت قرار دینا ہے جو صریح شرک ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فتح العزیز میں زیر آیت:

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝۱۳۵﴾ [البقرۃ:۱۳۵] تحریر فرماتے ہیں:

”یعنی نبود ابراہیم علیہ السلام از مشرکاں نہ در عبادت نہ خلق در خلق و نہ در تحلیل و تحریم، و شما مہ در عبادت عزیر و مسیح علیہما السلام را شریک او می کنید، و در خلق و تدبیر اسلاف خود را شریک میں کنید و می دانید کہ آنہاں بر خلاف مرضی او تعالیٰ ما را فتح و نصرت می دہند و در آخرت بزور از عذاب خلاص خواہند کرد و نیز در سحر استعانت بارواح خبیثہ جنیاں می نمایید و ارواح کواکب را مدبر می دانید و در تحلیل و تحریم پیشوایان خود را از احبار و رہبان باو شریک می کنید او حلال و حرام کردۂ انہا را مانند حلال و حرام کردۂ خدا می دانید۔ (۴۸۵، سورۂ بقرہ)

یعنی ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہ تھے، نہ عبادت میں وہ کسی کو خدا کا شریک کرتے تھے، نہ تخلیق میں نہ تحلیل و تحریم میں، اور تم سب عبادت میں حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اور تخلیق و تدبیر میں اپنے اسلاف یعنی پیشواؤں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ اور تمھارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ لوگ خداے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہم کو فتح و نصرت عطا کرتے ہیں۔ اور آخرت میں اپنی طاقت کے زور پر عذاب سے چٹکارا دلائیں گے۔ نیز جادو کے عمل میں جنوں کی خبیث روحوں سے مدد حاصل کرتے ہو۔ اور ستاروں کی روحوں کو مدبر جانتے ہو، اور تحلیل و تحریم میں اپنے پیشواؤں کو خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو، اور ان کے حلال و حرام کئے ہوئے کو خدا کے حلال و حرام کئے ہوئے کے مانند سمجھتے ہیں"۔

اس جگہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ عہد رسالت کے مشرکین کے شرک کس کس قسم اور کس کس انداز کے تھے، اور اہل کتاب اپنے احبار و رہبان کو کس کس حیثیت سے تحلیل و تحریم کا حق دیتے تھے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مشرکین اپنے اسلاف کو خلق و تدبیر میں خدا کا شریک قرار دیتے تھے وہ اپنے اسلاف کے اندر قدرت علی الخلق مانتے تھے۔ اور ہم بحمدہٖ تعالیٰ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام یا اور کسی مخلوقِ خدا کے لیے قطعی قدرت علی الخلق نہیں مانتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے جو بھی خداداد فوق الفطری قدرت مانتے ہیں وہ قدرت علی الکسب کی حیثیت سے مانتے ہیں نہ کہ قدرت علی الخلق کی حیثیت سے جیسا

کہ اس سلسلہ میں ہم آگے مزید وضاحت کریں گے۔

الحاصل شاہ صاحب موصوف نے اس جگہ شرک کی جتنی صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ان میں سے کوئی بھی ہمارے معتقدات میں شامل نہیں۔اب اس کے بعد آئیے یہ معلوم کریں کہ شرک کیا ہے۔

شرک کیا ہے؟

شرک توحید کی ضد ہے۔اور یہ قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ شَے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔اس لیے شرک کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ توحید کو بھی سمجھا جائے۔

حاشیۂ بخاری میں علامہ عینی کے حوالہ سے ہے:

التوحيد في الاصل مصدر وحّد يوحد ومعنى وحدت الله اعتقدته منفرداً بذاته وصفاته لانظير له ولاشبيه وقيل: اثبات ذات الله غير شبيه بالذوات ولا معطلة عن الصفات.(1)

توحید اصل میں وَحدّیوحدّ کا مصدر ہے،اور "وَحدّت اللہ" کے معنی ہیں کہ میں نے اللہ کو اپنی ذات و صفات میں یکتا اعتقاد کیا،جس کی نہ تو کوئی نظیر ہے نہ کوئی شبیہ،اور بعض علما نے کہا کہ توحید نام ہے اللہ کی ذات کے لیے یہ ثابت کرنا کہ وہ،اور ذوات کے مشابہ نہیں ہے،اور صفات سے خالی نہیں ہے۔

---

(1)...بخاری،۲/۱۹۶.

توحید کے مفہوم کے سلسلہ میں یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس کی مکمل توضیح حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوجائے گی جس کو انھوں نے سورۂ ''اخلاص'' کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

گفتہ اند کہ اربابِ مذاہبِ باطلہ در عالم پنج فرقہ اند، اول دہریۂ گویند کہ عالم را صانع نیست کیف ما اتفق مواد مجتمع شدہ صورتہا پذیرفتہ، چوں مرد مسلماں لفظ ''ہُوَ'' برزبان رانداز از عقیدۂ دہریہ بزار شد، دوم فلاسفہ بر آنند کہ عالم راصانع است۔ اما صفت ندارد یعنی تاثیرات کہ در عالم است از وسائط است، نہ ازاں ذات و در حقیقت مذہبِ ہنود نیز برہمیں است وچوں مومن لفظ اللہ ذکر کرد کہ دلالت بر استجماع

علما فرماتے ہیں کہ دنیا میں باطل مذہب والے پانچ فرقے ہیں: اول دہریہ، ان کا کہنا ہے کہ عالم کا کوئی بنانے والا نہیں ہے بس یوں ہی چند مادوں نے جمع ہوکر صورتیں قبول کرلیں۔ جب مسلمان لفظ ''ھُوَ'' زبان پر لاتا ہے تو وہ دہریوں کے اس عقیدہ سے بیزار ہوجاتا ہے۔ دوسرے فلاسفہ ہیں جو عالم کے لیے صانع تو مانتے ہیں، مگر اس کے لیے صفت نہیں مانتے۔ یعنی عالم میں جو تاثیرات پائی جاتی ہیں وہ وسائط سے پائی جاتی ہیں نہ خدا کی ذات سے اور در حقیقت ہندوؤں کا مذہب یہی ہے اور جب مسلمان لفظ ''اللہ'' ذکر کرتا ہے جو کہ جمیع صفات کاملہ

صفات می کند از گفتار ایں
فرقہا خلاص یافت
سوم ثنویہ گویند کہ یک
صانع تمام عالم راکفایت
نمی کند پس صانع
چندے باید وچوں مومن لفظ
احد در صفاتِ او تعالیٰ آورد
ازیں شرکت نجات
یافت۔ چہارم گمراہانِ اہلِ
کتاب از یہود و نصاری
اعتقاد دارند کے صانع عالم
مانند مخلوقات دیگر زن و فرزند
دارد و حضرت مریم رانسبت
بزوجیت قرار دادہ اند چوں
مرد مسلماں لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ
یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ گفت ایں عقید
بکلی دور شد و از جنس ہمیں
عقیدہ است تشبیہاتِ
کہ یہود و نصاریٰ در جناب او
تعالیٰ اختراع کردہ اند او

کے استجماع پر دلالت کرتا ہے تو
وہ ان فرقوں کے نظریہ سے چھٹکارا
پالیتا ہے۔ تیسرے ''ثنویہ'' ہیں،
جو کہتے ہیں کہ ایک صانع تمام عالم
کے لیے کافی نہیں، لہذا چند صانع
ضروری ہیں — جب مومن لفظ
''اَحد'' خدا کی صفتوں میں ذکر کرتا
ہے تو وہ اس کی شرکت (یعنی چند خدا
ماننے) سے نجات پالیتا ہے۔ چوتھا
اہلِ کتاب کے گمراہ لوگ ہیں۔ یعنی
یہود و نصاریٰ، جن کا یہ نظریہ ہے
کہ دنیا کا پیدا کرنے والا (یعنی خدا)
عام مخلوقات کی طرح بیوی بچہ والا
ہے۔ اور حضرت مریم علیہا السلام
خدا کی بیوی ہیں تو جب مسلمان لَمْ
یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ کہتا ہے تو اس
عقیدہ سے پورے طور سے دُور اور
علیحدہ ہوجاتا ہے اور اسی عقیدہ کی جنس
سے ہے۔ یہود و نصاریٰ کی وہ تشبیہات
جن کو ان لوگوں نے خداے تعالیٰ کے

تعالیٰ را مانند مخلوقات محتاج بچیزہا شناسند وبرائے ابطالِ تشبیہاتِ نفیِ احتیاج کہ صمد مفہوم می گردد کافی است، پنجمؔ مجوسیاں می گویند کہ اہرمن در قوت و تاثیرات وایجاد ہمسر یزداں است اشیائے ظلمانی و موذیات ودیگر شرور و قبائح آفریدۂ اوست وہمیشہ درمیانِ لشکر یزداں و جنودِ اہرمن منازعت وکشاکش است و در بعضے اوقات حکمے اہرمن جاری می شود ودر عالم بدی وچیز ہائے قبیح منتشر می گردد، وبرائے رد ایں عقیدہ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۠ در آخر سورہ آوردہ اند۔

لیے اختراع کیا۔اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی طرح چیزوں کا محتاج سمجھا تو ان تمام تشبیہات کے ابطال کے لیے خدا سے احتیاج کی نفی جو لفظ ”صَمَد“ سے مفہوم ہوتی ہے کافی ہے۔پانچواںؔ فرقہ مجوسیوں کا ہے، جن کا کہنا ہے کہ اہرمن، قوت و تاثیرات اور ایجاد میں خدا کا ہمسر ہے، ستانے والی اور اذیت دینے والی چیزیں اور دیگر طرح طرح کے قبائح شرور اسی اہرمن کے پیدا کردہ ہیں۔ اور ہمیشہ اہرمن اور یزداں کے لشکر میں جھگڑا اور لڑائی ہوتی رہتی ہے جب کبھی اہرمن کا لشکر زور کرتا ہے تو عالم میں برائی اور ناپسندیدہ چیزیں پھیل جاتی ہیں تو ان کے اس عقیدہ کے ابطال کے لیے خداوند قدوس نے سورۂ اخلاص کے آخر میں ”وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۠“ کو ذکر فرمایا۔

شاہ صاحب موصوف کی اس پوری عبارت اور اس کے مضمون کو سامنے

رکھیے۔ اور اسی کے ساتھ توحید کے اس مفہوم کو بھی رکھیے، جس کو علامہ عینی کے حوالہ سے ہم نے ذکر کیا ہے تو اندازہ ہوگا کہ توحید کے سلسلے میں علامہ عینی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس میں ان پانچوں باطل اور مشرکانہ مذاہب کی نفی موجود ہے۔

الغرض توحید کا خلاصہ یہ ہے کہ الوہیت اور لوازم الوہیت کو صرف خدائے برحق و برتر کے لیے مخصوص اور منحصر سمجھا جائے۔ اور ان میں سے کسی بھی امر کا اثبات غیر خدا کے لیے نہ کیا جائے۔ لہذا اس کے مقابل شرک کا مفہوم یہ ہوگا کہ الوہیت اور لوازم الوہیت میں سے کسی امر کا اثبات غیر خدا کے لیے کیا جائے علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح عقائد نسفی میں شرک کی تعریف یہ کی ہے۔

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام.[1]

اشراک کے معنی ہیں الوہیت بمعنی وجوب وجود میں کسی کو خدا کا شریک ثابت کرنا، جیسا مجوسیوں کا شرک ہے، یا الوہیت بمعنی استحقاق عبادت میں کسی کو خدا کا شریک ثابت کرنا، جیسا کہ اصنام پرستوں کا شرک ہے۔

علامہ موصوف نے اس عبارت میں الوہیت کے دو معنی ذکر کیے۔ ایک وجوبِ وجود، دوسرا استحقاقِ عبادت، یوں اگر تعمق نظر سے دیکھا جائے تو الوہیت بمعنی استحقاقِ عبادت کا مفہوم ہی اتنا جامع اور وسیع ہے، جو جملہ انواع شرک پر مشتمل نظر آئے گا۔ کیوں کہ الوہیت بمعنی استحقاقِ عبادت، الوہیت بمعنی وجود کو بھی لازم ہے۔ لہذا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عبادت کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی

(1)....شرح عقائد نسفي، ص: ٦١.

جائے۔ کیوں کہ اسی معنی پر شرک کے سمجھنے کا دار و مدار ہے۔

عبادت کے معنی

یہ تو عام طور پر سب جانتے ہیں کہ عبادت کے معنی ہیں کہ کسی ہستی کے سامنے اپنی انتہائی پستی اور عاجزی ظاہر کرنے کے، اور کبھی اس کی تعبیر یوں بھی کی جاتی ہے کہ عبادت نام ہے کسی ہستی کو غایت عظمت کے درجہ میں مان کر اس کے لیے کوئی عمل کرنے کا، مگر کب کوئی عمل غایت تعظیم کہلائے گا؟ اس کی تنقیح آسان نہیں ہے اس لئے کہ کبھی ایک ہی عمل بعض صورت میں عبادت ہے، تو بعض صورت میں عبادت نہیں ۔ مثلاً فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنا، یا، برادرانِ یوسف کا حضرت یوسف علیہ الالسلام کو سجدہ کرنا، جیسا کہ قرآن میں ہے عبادت نہیں ——— مگر مشرکین کا بتوں کو یا چاند اور سورج وغیرہ کو سجدہ کرنا عبادت ہے۔ جب کہ سجدہ وہاں بھی ہے اور یہاں بھی، پس معلوم ہوا کہ کسی عمل کو عبادت قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عمل کرنے والے کی نیت اور ارادۂ قلب کا اعتبار کیا جائے گا۔

چناں چہ اس کا اعتراف خود مؤلف "رزم حق و باطل" کو بھی ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

نہایت تعظیم کی حد دل سے شروع ہے۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ کب کوئی تصور عبادت اور نہایت تعظیم کہلائے گا، اور کب وہ تصور نہایت تعظیم نہیں کہلائے گا؟ اس سلسلے میں مؤلف "رزم حق و باطل"

(1)....رزم حق و باطل، ص: ۱۴۳.

کہتے ہیں:

کسی غیر اللہ کو فوق الفطری قوت و اختیار سے متّصف ماننا یہ غایت تعظیم ہے، اس کے تقرب کے لیے کوئی عمل کرنا یہ اس کی عبادت ہے۔ اور یہ دونوں ہی شرک ہیں۔[1]

مگر یہ سراسر غلط اور باطل ہے، کیوں کہ اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو مشرکین فرشتوں کو پوجتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے، وہ ان میں کون سی فوق الفطری قوت مانتے تھے۔

مؤلف "رزم حق و باطل" کے معتمد پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے بھی اس امر کو مشرکین عرب کا شرک نہیں قرار دیا ہے، بلکہ ان کے نزدیک مشرکین عرب کا شرک یہ تھا کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کی صفت صمدیت میں شریک سمجھتے تھے۔

چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

جو شخص کسی مذہب کا پابند ہے خواہ وہ مذہب حق ہو یا باطل "عبادت" کو جو غایت تعظیم کا نام ہے، کسی کے حق میں جائز نہیں رکھتا، تاوقتِ کہ اس کی صمدیت ثابت نہ کر لے یعنی عبادت اسی ذات کی جائز رکھتا ہے جو عابد کی ابنائے جنس کے حوائج سے مستغنی اور بے نیاز ہو، اور عابد اپنی حوائج اور مشکلات میں اس کی طرف محتاج ہو، بلکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے معبود کے مستحق عبادت ہونے پر اسی صمدیت کی وجہ سے استدلال کرتا ہے۔ اور شارع نے بھی معبودانِ باطل کی معبودیت کو صمدیت کے نہ ہونے سے باطل کیا ہے کہ جابجا ان کی محتاجی کو ثابت کیا —— اور ان کے پوجنے

---

(1)…. حاشیہ رزم حق و باطل، ص: ۹۰۔

والوں کا کسی حاجت میں ان کا محتاج نہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ چناں چہ علم تفسیر میں مہارت رکھنے والوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔[1]

معلوم ہونا چاہیے کہ یہی وہ شخص ہے، جس نے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب میں شرک کی وہ مشین گن چلائی ہے کہ صحابہ وائمہ سے لے کر آج تک کوئی بھی جماعت ان کے نشانۂ شرک سے محفوظ نہ رہ سکی۔ یہ مولف "رزم حق وباطل" اور ان کی جماعت کے علما اگرچہ ظاہر میں عدم تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر ان کے اکثر وبیشتر معتقدات کی بنیاد یہی مولوی اسمٰعیل دہلوی ہیں، جس پر خود یہ کتاب "رزم حق وباطل" شاہد وعادل ہے، مگر مؤلف "رزم حق وباطل" کو کیا معلوم کہ وہ جن کی محبت وعقیدت میں اپنی عاقبت سنوارنے کی امید رکھتے تھے، اور جس کی راہ کو وہ بزعم خویش صراط مستقیم سمجھ بیٹھے تھے وہی ان کی مذہبی اساس کو تہ وبالا کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ مشرکین کا شرک ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ وہ معبودوں میں خداداد فوق الفطری قوت مانتے تھے، بلکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ ان کو خدا کی صفت صمدیت میں شریک مانتے تھے اور اسی نظریہ کے تحت وہ اپنے معبودوں سے مدد مانگتے تھے۔ دنیاوی مرادوں کی تکمیل کے لیے ان کو حاجت روا جانتے تھے۔ ان کو خدا کی بارگاہ میں سفارشی سمجھتے تھے ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ اسی مشرکانہ نظریہ کی بنا پر تھا، جس کی وجہ سے ان کے یہ سارے اعمال شرک قرار دیئے گئے۔ اس کے برعکس ہمارا کوئی بھی عمل بحمدہ تعالیٰ ان میں سے کسی مشرکانہ نظریہ پر مبنی نہیں ہے۔ یہیں سے مولف "رزم حق وباطل" کے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے جس کو انھوں نے حاشیۂ رزم حق وباطل میں تحریر کیا ہے۔

(1)..... صراط مستقیم مترجم، ص: ۱۹-۲۰.

وہ لکھتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کے بارے میں ان کا وہ کیا تصور اور کیا عمل ہے، جسے وہ غیر اللہ کی عبادت سمجھتے تھے، اور جسے شریعت نے بھی غیر اللہ کی عبادت قرار دے کر انھیں مشرک ٹھہرایا ہے۔ آپ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کو کھنگال ڈالیے آپ کو یہی ملے گا کہ وہ غیر اللہ کو عطائی طور پر حاجت روا مشکل کشا سمجھتے تھے۔ اور اس عقیدہ کے تحت ان کو راضی اور خوش کرنے کے لیے ان کی نذر مانتے تھے۔ اور نذ اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ جانور ذبح کرتے تھے۔ مرادیں مانگتے تھے۔ آستانوں کی مجاوری کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اور اس عقیدہ اور تصور کے تحت کئے جانے والے ان کاموں کو غیر اللہ کی عبادت قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی عبادت قرار دیا۔ اور مشرکین خود بھی اسے عبادت تسلیم کرتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ آپ بھی غیر اللہ کو عطائی طور پر حاجت روا، اور مشکل کشا سمجھ کر ان کو راضی اور خوش کرنے کے لیے ان کی نذر مانتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، ان کے نام یا آستانے پر مرغ اور بکرے ذبح کرتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں اور آستانوں کی مجاوری کرتے ہیں وغیرہ، تو آپ کی یہ حرکتیں غیر اللہ کی عبادت کیوں نہیں؟ اور مشرکین کی یہی حرکتیں غیر اللہ کی عبادت کیوں تھیں۔ (1)

ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کے ان سارے اعمال کے شرک ہونے کا دارومدار ان کا اپنے معبودوں کو وصف صمدیت سے متّصف ماننا تھا جیسا کہ مولوی اسمعیل دہلوی کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ اور وہ اسی نظریہ کے تحت یہ سارے اعمال کرتے تھے، یا ان کے وہ مشرکانہ نظریات ہیں جن کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات پر کیا ہے لہذا جب ہمارے

---

(1).... حاشیہ رزم حق و باطل.

اور ان مشرکین کے اعمال میں بنیادی طور پر یہ اعتقادی فرق موجود ہے تو دونوں یکساں کیسے ہوجائیں گے۔ اور دونوں کا حکم ایک کیوں کر ہوجائے گا۔

رہا عمل میں بظاہر یکسانیت کا ہونا کہ بعض ہمارے اعمال بظاہر مشرکین کے اعمال سے مشابہ اور ملتے جلتے نظر آتے ہیں، تو اس ظاہری یکسانیت کی بنا پر حکم یکساں نہیں ہوسکتا۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ قبل اسلام عہد جاہلیت میں مشرکین عرب صفا و مروہ کا طواف کرتے تھے۔ پس جب مسلمانوں کو حکم ہوا کہ یہ بھی صفا و مروہ کے درمیان طواف وسعی کریں تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات کھٹکی کہ اس عمل میں تو مشرکین جاہلیت کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، تو ان کے اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ ﴾ [البقرۃ:۱۵۸]

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تو جو کوئی حج یا عمرہ کرے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، ان دونوں کے طواف کرنے میں۔

معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر عمل میں یکسانیت کا ہونا، اس عمل کے شرک ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ دیکھیے صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے کو عہد جاہلیت کے مشرکین کے عمل سے کس درجہ مشابہت اور یکسانیت تھی۔ مگر خود اس کے بارے میں قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ اور اس عمل کو شرک قرار دینا تو در کنار ان کو نامشروع بھی نہیں قرار دیا۔ اسی طرح حجر اسود کو چومنے میں بھی مشرکین کی سنگ پرستی سے ظاہری طور سے یک گونہ مشابہت پائی جارہی ہے۔ مگر نظریاتی فرق کی بنا پر دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔ اس لیے مشرکین کی اصنام پرستی میں بنیادی طور پر یہ نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ وہ مستقل نافع وضار ہیں جب کہ مسلمانوں کا حجر اسود کو چومنے میں ہرگز یہ نظریہ نہیں ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجر اسود کو چومتے وقت جو یہ فرمایا تھا کہ اے حجر اسود! میں یہ جانتا

ہوں کہ تو مجھ کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، میں تو اس لئے تم کو بوسہ دیتا ہوں کہ میرے رسول اللہ ﷺ نے تم کو بوسہ دیا ہے۔ تو اس سے انھوں نے اسی فرق کو واضح فرمایا تھا کہ لوگ مسلمانوں کے اس عمل کو مشرکین کی سنگ پرستی کے مشابہ نہ سمجھیں۔ کیوں کہ مشرکین کی سنگ پرستی میں ان کی نیت یہ ہوا کرتی ہے کہ ان کے اصنام مستقل نافع وضار ہیں۔ اور حجر اسود کو چومنے میں مسلمانوں کی یہ نیت نہیں ہوا کرتی، یعنی مسلمان اس کو مستقل نافع وضار نہیں سمجھتے ہیں۔ لہذا دونوں کا حکم یکساں نہیں ہو سکتا۔

علامہ نووی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

كان العهد قريباً بذلك فخاف عمر رضى الله عنه ان يراه بعضهم يقبله و يعتني به فيشتبه عليه فبيّن انه لا يضر ولاينفع بذاته وان كان امتثال ماشرع فيه ينفع بالجزاء والثواب.

چوں کہ عہد اسلام عہد جاہلیت سے قریب کا تھا تو اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کوئی ان کو چومتے ہوئے دیکھے اور یہ سمجھے کہ وہ اس کی تعظیم کر رہے ہیں، تو اس پر حقیقت امر مشتبہ ہو جائے گی تو انھوں نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ حجر اسود بذات خود نافع وضار نہیں ہے، البتہ حکم شرع کی بجا آوری جزا اور سزا کے اعتبار سے نفع بخش ضرور ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر "فتح العزیز" میں ان تمام اعمال کے بارے میں کتنے پتہ کی بات تحریر فرمائی ہے، جو بظاہر مشرکین کے اعمال سے ملتے جلتے اور مشابہ نظر آتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

افعال خارقہ عادات شبیہ بمعجزات پیغمبراں	افعال خارقہ عادات خواہ پیغمبروں کے معجزات کے مشابہ ہوں، خواہ

باشند، خواہ از جنس دیگر
ہمہ مقدور قدرت الٰہی
اند وبارادہ وایجاد او صادر می
شوند، و افعال کہ از
ساحراں صادر می گردند
دریں باب فرق نیست،
فرق آں است کہ اولیا
ودعوتیاں وعزائم خواناں آں
افعال را نسبت بغیر
خدانمی کنند، بلکہ
بقدرتِ اوتعالیٰ یاخواص
اسماے او تعالیٰ نسبت می
نمایند پس شرکے لازم
نمی آید و ساحراں ایں
افعال رانسبت بغیر خدا
از ارواح خبیثہ وخواص افسونہا و
اسماے اصنام می نمایند،
ولہذا آں افعال رادر قابوئے خود
میں دانند و در حکم خود
میں انگارند وبراں افعال
اجرت می گیرند و

اور دوسری جنس سے ہوں سب زیر
قدرت خداوندی ہیں، اور اسی کے
ارادہ و ایجاد سے صادر ہوتے ہیں
اور جو افعال کہ اولیا کرام سے ظاہر
ہوتے ہیں ، اور جو افعال کہ
جادوگروں سے صادر ہوتے ہیں اس
باب میں ان دونوں کے درمیان
کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق اس میں
ہے کہ اولیا کرام اور دعا تعویذ کرنے
والے ، اور جھاڑ پھونک کرنے
والے ان افعال کی نسبت غیر خدا کی
طرف نہیں کرتے، بلکہ خداے تعالیٰ
کی قدرت یا اس کے اسما کے خواص
کی طرف نسبت کرتے ہیں، پس کسی
قسم کا شرک لازم نہیں آتا ہے۔ اور
جادوگر لوگ ان افعال کی نسبت غیر
خدا یعنی خبیث روحوں اور منتروں
کے خواص اور بتوں کے نام کی
طرف کرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر ان
کو اپنے قابو میں سمجھتے ہیں۔ اور اپنے
زیر حکم گمان کرتے ہیں اور ان پر

حلوان میں خواہند و نذور و
قرابین برائے آں ارواح
خبیثہ و آں اصنام باطلہ
درخواست می کنند پس
شرکے صریح لازم میں آید و
موجب کفر میں گردد و
بمشابہ آں کہ افعال عادی
الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و
توسیع رزق وشفائے مریض و
امثال ذلک را مشرکان
نسبت بارواح خبیثہ واصنام می
نمایند و کافر می شوند، و
موحداں از تاثیر اسمائے الٰہی یا
خواص مخلوقات اومی دانند از
ادویہ وعقاقیر ودعائے
صلحا وبندگان اوکہ ہم از جناب او
در خواستہ انجاح مطالب می
کنانند می فہمند ودر ایمان
ایشاں خلل نمی افتد۔(۱)

اجرت لیتے ہیں اور مٹھائی مانگتے
ہیں۔ اور ان خبیث روحوں اور
باطل اصنام کے واسطے نذر و نیاز اور
قربانی کے جانوروں کا مطالبہ کرتے
ہیں ، پس صریح شرک لازم آتا
ہے۔اور اسی کے حکم میں ہے
خدائے تعالیٰ کے وہ افعالِ عادیہ
مثلاً اولاد عطا کرنا، روزی کشادہ کرنا،
مریض کو شفا دینا وغیرہ کہ جن کو
مشرکین ارواح خبیثہ اور اصنام باطلہ
کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کافر
کہلائے جاتے ہیں اور اہل توحید ان
افعال کو اسماے الٰہی کی تاثیر یا خدا کی
مخلوقات یعنی ادویہ اور عقاقیر کے
خواص یا خدا کے نیک بندوں کی دعا
کے خواص کا نتیجہ سمجھتے ہیں، جس کو وہ
خدا سے درخواست کرکے مطلوب
براری کرتے ہیں، تو ان لوگوں کے
ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

(۱)....فتح العزیز، تفسیر سورۂ بقرہ، ص:۳۶۵.

لہذا سیدھے سادے مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینے کے لیے عمل کی مشابہت اور یکسانیت کو پیش کر کے یہ تائثر دینا کہ بریلوی جماعت والے مشرکانہ عمل میں مبتلا ہیں، انصاف اور دیانت داری کے بالکل خلاف اور صریح افترا ہے۔

غایت تعظیم کی حد

اب آئیے میں یہ بتاؤں کہ غایت تعظیم کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک غایت تعظیم کی حد یہ ہے کہ کسی ہستی کے بارے میں یہ تصور قائم کرلینا کہ وہ عبدیت سے بلند و برتر ہے، یا کائنات عالم کی تدبیر میں اس کو ایسا دخل ہے کہ بے اس کے اس کا نظام چل نہیں سکتا، یا وہ ایصال نفع وضرر، یا تخلیق وایجاد میں مستقل ہے، یا وہ واجب الوجود لذاتہٖ ہے، یا واجب الوجود لذاتہ کے خواص ولوازم میں سے کسی کا اس میں ثبوت ہے، یا تحلیل وتحریم میں اس کو مستقل حیثیت حاصل ہے ـــــ پس جب کسی ہستی کے بارے میں ان تصورات میں سے کوئی تصور قائم کر کے اس کے لیے کوئی عمل کیا جائے، تو وہ عبادت کہلائے گا، اور جو خدائے برحق کے سوا کسی کے بارے میں ان تصورات میں کوئی تصور قائم کرلینا شرک کہلائے گا ـــــ لہذا خداداد فوق الفطری قوت واختیار کا کسی ہستی میں ماننا ہرگز شرک نہیں، اور نہ اس کو شرک سے کوئی تعلق ہے۔ اور نہ یہ مشرکینِ عرب کا شرک تھا، جیسا کہ مؤلف "رزم حق و باطل" کا اِدّعا ہے۔ کیوں کہ اس کو غایت تعظیم میں کوئی دخل نہیں ہے۔

فوق الفطری قوت کے معنی

بجائے اس کے کہ فوق الفطری قوت کے معنی ومفہوم کی تشریح ہم اپنی طرف سے کریں، بہتر اور مناسب یہ ہے کہ خود مؤلف "رزم حق و باطل" ہی کی ذکر کردہ

تشریح پیش کردیں، تاکہ انہیں بھی کوئی مجالِ سخن باقی نہ رہے، وہ لکھتے ہیں:

تمام مخلوقات میں نوعی قوتیں الگ الگ موجود ہیں۔ اور جن کے نہ ہونے سے وہ عیب دار ہوجاتی ہیں۔ وہ ہوئی فطری قوت، اور اس پر اضافہ فوق الفطری ہے۔[1]

ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

مخلوقات کی فطری قوت کے دائرے مختلف اور متفاوت ہیں۔ انسان کی فطری قوت میں کئی ایسی چیزیں شامل ہیں جو جانوروں کو حاصل نہیں مثلاً نطق وعقل وغیرہ، اسی طرح فرشتوں کی، اور جنوں کی فطری قوت میں کئی ایسی چیزیں شامل ہیں جو انسان کو حاصل نہیں، مثلاً فضا میں آنا، جانا اور آناً فاناً کہیں سے کہیں پہنچ جانا۔[2]

ان دونوں عبارتوں کو پیش نظر رکھ کر اب ہم اس بات کا جائزہ لینا چاہیں گے کہ مؤلف "رزم حق وباطل" کا یہ موقف کہاں تک صحیح ہے۔ واضح رہے کہ زیر بحث فوق الفطری قوت جسے کسی غیر اللہ کے لیے ثابت ماننا بقول "رزم حق وباطل" شرک ہے۔ اس سے مراد خداداد فوق الفطری قوت ہے، نہ کہ مطلق فوق الفطری قوت، لہذا اس سلسلے میں ہماری ساری بحث کا محور یہی خداداد فوق الفطری قوت ہوگی۔

اب اس کے بعد آئیے ہم سب سے پہلے آپ کو بتائیں کہ رویت و بصیرت کے سلسلے میں انسان کی نوعی قوت یہ ہے کہ شئے مرئی (دیکھی جانے والی چیز) سامنے ہو۔ لہذا پسِ پشت کی چیزوں کو اسی طرح دیکھ لینا، جس طرح سامنے کی چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ بلاشبہہ انسان کی نوعی قوت سے مافوق ہے اور یہ قوت حضور اکرم ﷺ کو بعطائے الٰہی حاصل تھی۔

---

(1)....رزم حق وباطل، ص:۱۱۰.

(2)....حاشیہ رزم خق وباطل، ص:۱۰۱.

چناں چہ بخاری شریف میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هل ترون قبلتي هٰهنا والله مايخفى عليّ ركوعكم ولا خشوعكم وانّي لاراكم وراء ظهري.[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ یہ دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے لیکن خدا کی قسم مجھ سے نہ تمھارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمھارا خشوع، اور بے شک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

اور "مشکاۃ شریف" میں بحوالہ ابوداؤد ایک روایت یوں ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول: استوؤا استوؤا استوؤا فو الذي نفسي بيده اني لأراكم من خلفي كما اراكم من بين يدى.

نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صفیں درست کرو، صفیں درست کرو، صفیں درست کرو، پس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اپنے پیچھے تم لوگوں کو ویسا ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے تم لوگوں کو دیکھتا ہوں۔

اسی "مشکاۃ شریف" میں بحوالہ مسلم ایک اور روایت ہے:

عن انسٍ قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فلما قضى صلاة اقبل علينا بوجهه فقال ايها الناس اِنّي امامكم فلا تسبقوني بالركوع ولا باالسجود ولا بالقيام ولا بالانصراف فاني اراكم امامي ومن خلفي.

(1)..... بخاری شریف، ج:۱، ص:۱۰۲۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی تو جب حضور نے نماز پوری کی تو ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! بے شک میں تم لوگوں کا امام ہوں تو رکوع کرنے اور سجدہ کرنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو، نہ قیام میں، اور نہ نماز سے فارغ ہونے میں، اس لیے کہ میں تم لوگوں کو اپنے سامنے اور پیچھے دیکھتا ہوں۔

ان تمام روایتوں سے یہ ثابت ہوا حضور ﷺ کو رویت اور بصیرت کی مافوق طاقت مِن جانب اللہ حاصل تھی۔ لہٰذا حضور ﷺ کے لیے خداداد فوق الفطری قوت کا اِعتقاد ہر گز شرک نہیں۔ دیوبندی جماعت کے ایک مشہور صاحب قلم مولوی سلیمان ندوی اپنی کتاب ”سیرت النبی“ میں لکھتے ہیں:

جس طرح انبیا علیہم السلام اپنی قوت سامعہ سے ندائے غیب کو سنتے ہیں اور صدائے وحی کو سماعت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام انسان نہیں دیکھتے۔

حضرت ابراہیم کے ذکر میں ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝ ﴾ [الأنعام: ٧٥]

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی سلطنت دکھاتے ہیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو۔

استعداد نبوت کی تربیت اور نشو و نما کے لیے یہ رویت و بصیرت کی مافوق طاقت ان کو عطا ہوئی۔ (1)

(١)....سیرت النبی، ج: ٤، ص: ٤٤.

دیوبندی جماعت کے ایک دوسرے عالم مولوی شبیر احمد عثمانی اپنی کتاب "خوارقِ عادات" میں تحریر کرتے ہیں:

ہم نے احادیث صحیحہ میں آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد پڑھا تھا۔

اني والله ابصر من ورائي كما ابصر من بين يدى.

یعنی میرا دیکھنا مواجہہ پر موقوف نہیں، بلکہ پیٹھ پیچھے کی چیزیں بھی ایسی ہی نظر آتی ہیں جیسے کہ سامنے کی۔

بہت سے متفلسفین اس کو قانونِ فطرت کے خلاف سمجھ کر درپے تاویل ہو گئے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ محققین نے حدیث کو ظاہر پر حمل کر کے اس کو آں حضرت ﷺ کے خصائص اور خوارق عادات میں شمار کیا ہے۔[1]

دیکھیے یہ دونوں دیوبندی جماعت کے مانے ہوئے عالم ہیں، احادیث کریمہ کی وہی توضیح کرتے ہیں جو میں نے کی۔ پس اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے خداداد فوق الفطری قوت ماننا ہرگز شرک نہیں ہے اور نہ یہ عہد رسالت کے مشرکین کا شرک تھا۔

امام رازی تفسیر کبیر میں ایک جگہ علامہ حلیمی کی کتاب "المنہاج" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:[2]

حضرات انبیاے کرام اپنی قوت جسمانی اور روحانی میں عام انسانوں سے ممتاز اور منفرد ہوا کرتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ **قوائے جسمانی کی دو قسمیں ہیں: مُدرکہ ــــ محرکہ پھر قوت مدرکہ کی بھی دو قسمیں ہیں: حواس ظاہرہ ــــ حواس باطنہ** پھر حواس ظاہرہ کی پانچ قسمیں ہیں: اور انبیاے کرام ان پانچوں حواس میں اور

---

(1)..... خوارق عادات، ص: ۲۲.

(2)..... طوالت سے بچنے کے لیے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

انسانوں سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ حواسِ ظاہرہ کی ایک قسم قوت باصرہ ہے۔ اس میں حضور نبی کریم ﷺ اوروں سے منفرد ہیں کہ خود فرماتے ہیں — ذویت لی الارض فاریت مشارقھا ومغاربھا. زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی تو میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔ ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے:اقیموا صفوفکم وتراصوافإني اراکم من وراء ظهري.

اے لوگوں! اپنی صفوں کو نماز میں درست اور راست کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو، کیوں کہ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

اور اس قوت کی نظیر خود کلامِ الٰہی میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آیا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

یوں ہی ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی سلطنت دکھاتے ہیں۔

علمائے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قوائے بصری کو اس درجہ قوت عطا فرمائی ہے کہ انھوں نے تمام ملکوت (کائنات) کا اوپر سے نیچے تک مشاہدہ اور معائنہ فرمالیا۔

علامہ حلیمی فرماتے ہیں کہ مفسرین کا یہ قول بعید از عقل نہیں، کیوں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ "زرقاء یمامه" تین دن کی مسافت کی چیز دیکھ لیا کرتی تھی۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کی قوت بصارت اس سے بھی زیادہ قوی ہو تو اس میں استبعاد کی کیا بات ہے۔

حواسِ ظاہرہ کی دوسری قسم قوت سامعہ ہے، اس میں بھی نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ ﷺ خود فرماتے ہیں:

اطت السماء وحق لها ان تئط ما فيها موضع قدم الافيه مَلَكٌ سَاجدا لله تعالیٰ.

یعنی آسمان چرچرایا اور اسے چرچرانا بھی چاہیے کیوں کہ اس میں قدم رکھنے کے

برابر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں فرشتے اللہ کو سجدہ نہ کرتے ہوں۔ بس اس سے ثابت ہوا کہ حضور نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی۔ ایک اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک بھنبھناہٹ سنی جو کسی چٹان کے جہنم میں گرنے کی تھی۔ تو اس کے بارے میں حضور نے فرمایا وہ اب تک جہنم میں نہیں پہنچی ہے۔

علامہ حلیمی فرماتے ہیں کہ فلاسفہ کے لیے اس روایت کو مستبعد قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ خود ان لوگوں کا کہنا ہے کہ فیثا غورث نے ریاضتِ نفس کے نتیجہ میں آسمان کے حرکت کی آواز سنی۔ اس سلسلے میں حضرت سلیمان کا وہ واقعہ بھی دلیل ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ انھوں نے چیونٹیوں کی آواز سنی جو اپنی قوم سے کہہ رہی تھیں۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ﴾ [النمل:۱۸]

یعنی اے چیونٹیو اپنے اپنے بِلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو چونٹیوں کی بات سنائی، اور ان کے مضمون کلام سے واقف کرایا، اور یہ چیز آں حضرت ﷺ کے لیے بھی ثابت ہے کہ حضور نے اونٹ اور بھیڑیے سے کلام فرمایا۔

حواسِ ظاہرہ کی تیسری قسم قوتِ شامہ ہے۔ اس میں بھی حضرات انبیائے کرام اپنے اغیار سے ممتاز و منفرد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ انھوں نے پیراہن یوسف کی خوشبو محسوس کی۔

قرآن میں ہے:

﴿قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ﴾ [یوسف:۹۴]

کہا ان کے باپ نے کہ میں یوسف کی مہک پا رہا ہوں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ خوشبو تین دن کی مسافت پر محسوس کی۔

حواسِ ظاہرہ کی چوتھی قسم قوتِ ذائقہ ہے۔ انبیاے کرام اس قوت میں بھی عام لوگوں سے ممتاز ہیں۔ ایک روایت میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بکری کا یہ ہاتھ مجھ کو بتا رہا ہے کہ وہ زہر آلود ہے۔

حواسِ ظاہرہ کی پانچویں قسم قوتِ لامسہ ہے۔ اس میں انبیاے کرام اوروں سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلا کا واقعہ ہے کہ آگ ان کے جسم پر سرد ہو گئی۔ اور اس میں استبعاد کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیوں کہ شُتر مرغ اور آتش خور میں آج بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

رہے حواسِ باطنہ تو ان میں بھی انبیاے کرام اوروں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦﴾ [الاعلیٰ:٦] اے رسول! ہم تمھیں ایسا پڑھا دیں گے کہ پھر نہیں بھولو گے۔

اور انبیاے کرام کی ذکاوت کا کیا پوچھنا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ کو علم کے ہزار ابواب کی تعلیم دی۔ اور میں نے ہر باب میں سے ہزار ابواب علم اپنے خداداد ذہن سے مستنبط کئے۔

رہی قوتِ محرکہ تو حضور ﷺ کا معراج میں جانا، اور حضرت عیسیٰ کا آسمان تک جانا، اور حضرت ادریس والیاس کا اوپر کو جانا احادیث سے ثابت ہے۔ اور یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ انبیاے کرام اپنی قوتِ محرکہ میں بھی اوروں سے ممتاز ہیں۔ علاوہ ازیں آصف ابن برخیا کا پلک جھپکنے سے بھی کم مدت میں تختِ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر کر دینا مزید اس امر پر روشن دلیل ہے۔ اور جہاں تک قوت عقلیہ روحانیہ کی بات ہے تو اس میں انبیائے کرام کا غایت کمال اور نہایت صفا میں ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

اختتامِ بحث پر امام رازی فرماتے ہیں:

اعلم ان تمام الكلام في هذا الباب ان النفس القدسية

النبوية مخالفة بما هيئتها السائر النفوس ومن لوازم تلك النفس الكمال في الذكاء والفطنة والحرية والاستعلاء والترفع عن الجسمانيات والشهوات فاذا كانت الروح في غاية الصفا والشرف وكان البدن في غاية النقاء والطهارة كانت هذه القوى المحركة والمدركة في غايۃ الكمال لانها جارية مجرى انوار فائضه من جوهر الروح واصلة الى البدن ومتى كان الفاعل والقابل في غاية الكمال كانت الاثار في غاية القوة والشرفِ والصفاء.[1]

جاننا چاہیے کہ اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ انبیاے کرام کے نفوس قدسیہ اپنی ماہیت اور حقیقت میں دیگر نفوس قدسیہ سے ممتاز اور علیحدہ ہیں، اور ان نفوس قدسیہ کے لوازم اور خصائص میں سے یہ ہے کہ وہ ذکاوت و فطانت حریت و استعلاء اور جسمانی کدورت و شہوات سے بلند و برتر ہوں، پس جب ان کی روح غایت صفا و شرف میں ہوگی، اور ان کا بدن انتہائی صاف ستھرا ہوگا تو ان کی قوائے محرکہ و مدرکہ بھی انتہائی کمال پر ہوگی۔ کیوں کہ ان کی دونوں قوتیں ان کے جوہر روح سے انوار و تجلیات حاصل کر کے بدن کو فیض پہنچانے والی ہوں گی، اور جب فاعل اور قابل (یعنی بدن اور روح) دونوں ہی انتہائی کمال پر ہوں تو ان کے اثرات بھی نہایت قوت اور شرافت اور غایت صفا میں ہوں گے۔

(سورۂ آل عمران زیر آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۞﴾ [آل عمران:۳۳] الآیۃ، ص:۶۵۲)

(1)...تفسیر کبیر، ۲/ ۴۳۳.

غور فرمائیے امام رازی بھی انبیاے کرام کو عام نوع انسانی سے جسمانی روحانی قوتوں اور حقیقتوں میں ممتاز اور منفرد قرار دے رہے ہیں، اور ان کے لیے خداداد فوق الفطری قوت مان رہے ہیں۔ تو اگر غیر خدا کے لیے خداداد فوق الفطری قوت کا ماننا شرک ہوتا تو حضرت امام رازی انبیاے کرام کے لیے اس کا اثبات کیوں کرتے پھر یہ بھی نہیں کہ محض اپنی راے اور قیاس سے یہ بات کہہ دی بلکہ اس کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمایا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ انبیا و اولیا کے لیے خداداد فوق الفطری قوت کا ماننا ہرگز شرک نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ہم مزید کچھ احادیث کریمہ، اور اقوال علما ذیل میں تحریر کر رہے ہیں تاکہ اس امر کا ثبوت بدرجۂ اتم ہو جائے کہ انبیا کے حق میں خداداد فوق الفطری قوت کا عقیدہ ہرگز شرک نہیں ہے۔ بلکہ اسے شرک کہنا ہی کثیر احادیث کریمہ اور اقوالِ علما کے خلاف ہے۔

حدیث(۱) مسلم شریف میں بروایت جابر ابن سمرہ سے یہ حدیث مروی ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انى لاعرف حجراً بمكة كان يُسَلّم عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَث.[1]

بے شک میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

حدیث(۲) مشکاۃ شریف بحوالہ ترمذی و دارمی یہ روایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال كنت مع النبيّ صلى الله عليه وسلّم بمكة فخرجنا في بعض نواحيها فما استقبله جبل ولاشجر الا وهو يقول السلام عليك يارسول الله.[2]

---

(1)…. مسلم شريف، كتاب الفضائل، ۲/ ۲٤٥.

(2)…. مشكوٰة المصابيح، ٥٤٠٢٤٥.

حضرت علی کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کے بعض علاقہ کی طرف نکلا تو جس پہاڑ یا درخت کا سامنا ہوتا، تو وہ السّلام عَلَیْك یارسول الله کہتا۔

یہ دونوں حدیثیں اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ عظمت نبوت کے نتیجہ میں پتھر اور پہاڑ سے مافوق الفطری امر صادر ہوا ہے، حالاں کہ یہ جمادات سے ہیں، خود مؤلف رزم حق وباطل نے ایک جگہ مٹی اور پتھر کے لیے دعا یا بد دعا کرنے کو فوق الفطری قوت قرار دیا ہے۔

چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

بت تو مٹی یا پتھر کی مورت ہوتی ہے، کیا کسی مورت میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ دعا یا بد دعا کر سکے یہ کام یقیناً اس کی صلاحیت سے بالاتر ہے۔ پھر اس کے اعتبار سے مافوق الفطری کیوں نہیں۔[1]

میں کہتا ہوں جس طرح سے مٹی یا پتھر کا دعا یا بد دعا کرنا فوق الفطری ہے اسی طرح پہاڑ اور پتھر کا "السلام علیك یارسول الله" کہنا بھی فوق الفطری ہے، اور مؤلف رزم حق وباطل کے نزدیک کسی غیر خدا کے لیے فوق الفطری قوت کا ماننا صریح شرک ہے، خواہ وہ قوت خداداد ہی کیوں نہ ہو۔

لہذا میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جناب آپ کے پاس ان دونوں حدیثوں کا کیا جواب ہے؟ کیا پہاڑ اور درخت اور پتھر کے لیے حضور اکرم ﷺ نے خداداد فوق الفطری قوت واختیار ثابت کر کے معاذ اللہ شرک کا ارتکاب فرمایا ہے؟

صحاح ستہ میں اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دفعہ جبل اُحد پر چڑھے اور ان کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے

(1)....حاشیہ رزم حق و باطل، ص: ۱۰۰.

تو جب اس پر چڑھنے لگے تو وہ ہلنے لگا۔ حضور نے اس کو پاؤں سے مارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اثبت أُحُد فما عليك نبي وصديق و شهيدان.

ٹھہر جا، اے اُحد کیونکہ تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت تمامہ بن خزن القشیری سے ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان على ثبير مكة معه ابو بكر وعمر وانا فتحرك الجبل حتى تساقطت حجارة بالحضيض فركز برجله قال اسكن ثبير فانما عليك نبي وصديق وشهيدان.[1]

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثبیر مکہ (مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) پر تھے۔ اور ان کے ساتھ ابوبکر اور عمر اور ہم تھے، پس وہ پہاڑ ہلنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک پتھر اس سے نیچے گرا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ٹھوکر ماری اور فرمایا۔ ٹھہر جا! اے ثبیر تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

ان حدیثوں سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "کوہ اُحد" اور "کوہ ثبیر" سے حرکت کا ظہور و صدور خداداد فوق الفطری قوت کے نتیجہ میں تھا۔ وہاں مزید یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں پہاڑوں سے خطاب فرما کر اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ یہ دونوں شعور اور ادراک بھی رکھتے ہیں نیز اس حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ طاقت و اختیار عطا فرمایا ہے کہ میں جمادات پر

---

(1)....رواه الترمذي والنسائي،ص: ٥٦٢.

مافوق الفطری تصرف کر سکتا ہوں ـــــــ اسی طرح مشکات میں بحوالہ بخاری و مسلم یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا کپڑا رکھ کر غسل فرما رہے تھے کہ اتنے میں وہ پتھر کپڑا لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے، اور کہنے لگے۔ثَوْبِیْ یَاحَجَر، ثَوْبِیْ یَا حَجَر، ثَوبِیْ یَاحَجَر. اے پتھر میرا کپڑا دو، اے پتھر میرا کپڑا دو، اے پتھر میرا کپڑا دو، جب وہ پتھر رُکا تو حضرت موسی علیہ السلام نے اپنا کپڑا لیا۔ اور اس پتھر کو کئی دفعہ مارا، جس کے نتیجہ میں اس پر کئی نشانات پڑ گئے۔ (1)

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر خدا سے فوق الفطری فعل کا ظہور اسلام کا ایک مسلمہ امر ہے، جو ہرگز شرک نہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ پتھر اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں بھاگا تھا، بلکہ اس کا بھاگنا محض حکم الٰہی اور قدرت خداوندی سے تھا جس میں اس کے ارادہ کو کچھ بھی دخل نہیں تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے اس کو ثوبي یا حجر، ثوبي یا حجر سے خطاب کیوں فرمایا کیا حضرت موسی علیہ السلام کا اس سے خطاب فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ پتھر شعور و ارادہ بھی رکھتا تھا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ اِس پتھر کا بھاگنا اگرچہ حکم خداوندی سے تھا، مگر اس میں اس کے شعور و ارادہ کو بھی دخل تھا، اضطراری نہیں تھا۔ چناں چہ امام نووی شرح مسلم شریف میں جہاں یہ روایت آئی ہے کہ پتھر حضور ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا، اس کے تحت فرماتے ہیں:

وفيه معجزة له صلى الله عليه وسلم وفي هذا اثبات التميز في بعض الجمادات وهو موافق لقوله تعالىٰ في الحجارة ﴿ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ﴾

(1)....مشکاة شریف،ص: ٥٦٢.

[البقرة:٧٤] (الیٰ ان قال) ومنه الحجر الذي فرّ بثوب موسى عليه السلام وكلام الذراع والمشى احد الشجرتين الىٰ الاخرىٰ حين دعا هما النبي صلى الله عليه وسلم واشباه ذلك.

اور اس حدیث میں حضور ﷺ کے معجزہ کا ثبوت ہے، اور اس امر کا بھی کہ بعض جمادات میں تمیز کرنے کی قدرت ہے اور یہ قرآن کریم کی آیت ﴿وَ اِنَّ مِنۡهَا لَمَا یَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ [البقرة: ٧٤] کے موافق ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے، اس پتھر کا واقعہ جو حضرت موسی علیہ السلام کا کپڑا لے کر بھاگا تھا۔ اور اسی قبیل سے ہے زہر آلو بکری کے گوشت کا واقعہ جن کو کہ حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے جب دو درختوں کو بلایا تھا اور وہ دونوں اپنی جگہ سے چل کر ایک دوسرے کے پاس آگئے تھے اور ان جیسے اور بھی واقعات ہیں۔

معجزات کے ظہور میں انبیا کی قدرت کا دخل

مؤلف "رزم حق و باطل" کو اس بات سے اختلاف ہے کہ معجزات میں انبیا کی قدرت کو دخل ہوا کرتا ہے۔

چناں چہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

معجزات کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی انبیا کی نبوت کے ثبوت میں کچھ خارق عادات چیزوں کو اپنی ذاتی خدائی قوت سے ظاہر فرماتا ہے۔ یہ ہے معجزہ کی حقیقت نبی کو ان کے ظاہر کرنے اور نہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔[1]

(1)....رزم حق وباطل، ٢٩١.

مولوی شبیر احمد عثمانی بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں، وہ اپنی کتاب ”خوارقِ عادات“ میں لکھتے ہیں:

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، جو بدون تعاطی اسباب کے ظہور پذیر ہو تو دوسرے خدائی کاموں کی طرح اس میں بھی کسی صانع کی صنعت کو دخل نہیں ہو سکے گا۔ بناء بریں تنجیم، کہانت، مسمریزم، سحر اور شُعبدہ بازی کی طرح معجزہ کوئی فن نہیں، جو تعلیم و تدریس سے حاصل ہو، یہ فنون سیکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن معجزہ میں نہ تعلیم و تعلم ہے نہ انبیا کا کچھ بھی اختیار اس میں چلتا ہے نہ معجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ ان کو سکھلایا جاتا ہے کہ جب چاہیں ویسا عمل کر کے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں، بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے، اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہی صورت معجزہ کی ہے۔ ایسا نہیں کہ انبیا جس وقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں، بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے ہیں۔[1]

یہ بات کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اپنی جگہ مسلم ہے مگر اس سے کیا مراد ہے اس کے متعلق ہم اگلے صفحات پر ان شاء اللہ گفتگو کریں گے۔ اس جگہ سب سے پہلے اصولی اور قانونی طور پر اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ آیا معجزہ نبی کے زیر قدرت ہے کہ نہیں؟ —— اس سلسلے میں سب سے پہلے علمائے متکلّمین کی معتمد و مستند کتابوں سے یہ معلوم کریں کہ اِن حضرات کی کیا رائے ہے؟

علامہ محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی ۹۵۶ھ ”شرح فقہ اکبر“ میں معجزات

(1)...خوارق عادات، ۳۳.

کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"المعجزة ماظهر على يد النبي او بامره و اقل الامر ان يكون بقصده وعلمه."[1]

معجزہ وہ شے ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو یا نبی کے حکم سے ظاہر ہو اور حکم سے ظاہر ہونے کے لیے کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ ان کے علم و ارادہ سے ہو۔

علم کلام کی مشہور کتاب "شرح عقائد نسفی" میں ہے کہ

"فالنبي لابدّ من علمه بكونه نبياً ومن قصده اظهار خوارق العادات."[2]

نبی کے لیے ضروری ہے کہ ان کو نبی ہونے کا علم ہو، اور خوارق عادات کا اظہار ان کے قصد و ارادہ سے ہو۔

دیکھیے علم کلام کی ان دونوں کتابوں میں کتنی صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ معجزہ اور خوارق عادات کے ظہور میں نبی کے ارادہ کو دخل ہوا کرتا ہے۔ علم کلام کی ایک تیسری کتاب "شرح مواقف" میں اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں ہے:

"شرط قوم في المعجزات انه لايكون مقدوراً للنبي وليس بشيء لان قدرته مع عدم قدرة غيره عادة معجز."[3]

اور ایک جماعت نے معجزہ میں اس بات کی شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کے زیر

---

(1)....شرح فقه اكبر ، ص:٣٣٨.
(2)....شرح عقائد نسفی ، ص: ١٤٦.
(3)....شرح مواقف ، ص:٦٦٦.

قدرت نہ ہو مگر ان کی یہ شرط کوئی چیز نہیں، اس لیے کہ جس چیز پر غیر انبیا عادتاً قدرت نہ رکھتے ہوں اس پر نبی کا قادر ہونا یہی معجزہ ہے۔

جس جماعت کا یہ نظریہ بیان کیا گیا ہے کہ معجزہ نبی کے زیر قدرت نہیں ہوتا تو اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ لوگ قدرت ہی کو معجزہ قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کا کہنا ہے کہ جب خرق عادت پر قدرت کا نام معجزہ ہے تو اگر اس کو نبی کے زیر قدرت مانا جائے تو لازم آئے گا کہ قدرت تحت قدرت ہو، اور یہ محال ہے۔ مثلاً ہوا میں پرواز کرنا اگر کسی نبی کا معجزہ مانا جائے تو اس میں معجزہ دراصل اس فعل (پرواز کرنا) کا نام نہیں، بلکہ اس فعل پر قدرت کا نام معجزہ ہے۔ لہٰذا اگر معجزہ بایں معنی نبی کے زیر قدرت مانا جائے تو لازم آئے گا کہ قدرت قدرت نہ رہے، بلکہ مقدور ہو جائے اور یہ محال ہے۔ مگر چوں کہ اس جماعت کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے صاحب شرح مواقف نے اس کو رد کر دیا۔ اور آگے چل کر فرمایا:

قال الآمدی هل يتصور كون المعجز مقدوراً للرسول ام لا؟ اختلف الائمة فذهب بعضهم إلیٰ ان المعجزة فيما ذكر من مثال(أی صعوده الی الهواء ومشيه علی الماء) ليس هو الحركة بالصعود والمشي لكونها مقدورة له بخلق الله فيه القدرة عليها انما المعجزة هناك هو نفس القدرة عليها وهٰذه القدرة ليست مقدورة له وذهب اٰخرون الیٰ ان نفس هٰذه الحركة معجزة من جهة كونها خارقة للعادة ومخلوقة لله تعالیٰ وان كانت مقدورة لنبي الله تعالیٰ هو الأصح.[1]

(1)....شرح مواقف، ص:٦٦٧.

علامہ آمدی کہتے ہیں کہ معجزہ کا نبی کے زیر قدرت ممکن ہے کہ نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ ماقبل میں جو مثال ذکر کی گئی ہے (یعنی نبی کا ہوا میں پرواز کرنا اور پانی پر چلنا معجزہ نہیں ہے کہ یہ تو رسول کے زیر قدرت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اس کام کی قدرت تخلیق فرمائی ہے بلکہ معجزہ یہاں خود قدرت ہی کا نام ہے۔ اور یہ قدرت نبی کے زیر قدرت نہیں، اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ معجزہ خود یہ حرکت (یعنی ہوا میں پرواز کرنا اور پانی پر چلنا) ہے۔ بایں طور کہ یہ حرکت خود معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے—اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے زیر قدرت ہے——اور یہی مذہب زیادہ صحیح ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ قدرت نبوت کے نتیجے میں نبی سے صادر ہونے والا فعل (خرق عادت) بلاشبہہ نبی کے زیر قدرت ہے۔

اختلاف اس امر میں ہے کہ معجزہ در اصل قدرت کا نام ہے۔ اور مؤلف ''رزم حق و باطل'' کو ائمۂ کرام کے اس متفقہ نظریہ سے اختلاف ہے۔ وہ براہِ راست قدرت نبوت کے نتیجہ میں صادر ہونے والے فعل (خرق عادت) ہی کو نبی کے دائرۂ قدرت سے باہر قرار دیتے ہیں۔

چناں چہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''معجزات کے ساتھ انبیا کے کسب کا تعلق نہیں، جب کہ بندوں کے عام افعال کے ساتھ ان کے کسب کا تعلق ہے''۔[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ہاتھ پر خوارق ظاہر ہونے سے کسب ہی ثابت نہیں ہوتا، تا بہ

(1)....حاشیہ رزم حق وباطل، ص:۱۳۰۔

قدرت چہ رسد"۔[1]

ان کی ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ وہ خود فعل معجزہ ہی کو نبی کے زیر قدرت ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔ لہذا ائمۂ کرام کا اختلاف ان کے لیے قطعی مفید نہیں ہے۔

پچھلے صفحات میں جہاں ہم نے فوق الفطری قوت کے معنی پر گفتگو کی ہے اس میں ہم نے ضمناً یہ واضح کر دیا ہے کہ انبیا کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی خداداد فوق الفطری قوت کے نتیجہ میں معجزات اور خوارق عادات کے اظہار کے لیے خداداد قدرت واختیار کا ماننا ہرگز شرک نہیں ہے۔ اس جگہ پھر کچھ دلائل وشواہد قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا اِبہام نہ رہے۔

آیئے سب سے پہلے احادیث کریمہ کے شواہد ملاحظہ فرمایئے:

(۱)-حدیث: عن ابن عباس قال جاء اعرابي إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بما اعرف انك نبي قال ان دعوت هذا العذق من هذه النخلة يشهداني رسول الله فدعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل ينزل من النخلة حتى سقط إلىٰ النبي صلى الله عليه وسلم ثم قال ارجع فعاد فاسلم الاعرابي.[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں کیسے جانوں کہ آپ نبی ہیں۔ فرمایا تو یہ گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس خوشۂ خرما درخت سے گرا، اور آپ کے پاس

(1)....حاشيه رزم حق وباطل ، ص:۱۷٤.

(2)....رواه الترمذي،مشكاة المصابيح،باب المعجزه ، ص:٥٤١.

آیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔۔۔وَاپس جاؤ، تو وہ واپس چلا گیا۔۔۔پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

دیکھیے اس حدیث سے کتنی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ خرق عادت اور فوق الفطری کارنامہ نہ صرف یہ کہ آپ کے علم و ارادہ سے ظہور میں آیا، بلکہ اس کے ظہور میں آپ کی خداداد فوق الفطری قوت اور تصرف کو بھی دخل ہے۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضور ﷺ نے فوق الفطری کارنامہ کے اظہار کو نبوت کی دلیل قرار دی جس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ نبی فوق الفطری کارنامہ کے اظہار پر خداداد قوت کا مالک ہوا کرتا ہے۔ اور یہی قدرت ان کو عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔

(۲)۔حدیث: عن انس قال ان اهل مكة سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يريهم آية ناراهم القمر شقتين حتى رأواحراء بينهما.[1]

حضرت انس سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ وہ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں تو حضور نے چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے کوہِ حرا کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

یہ حدیث بھی اس بات پر دلیل قاطع ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ معجزہ شق القمر خداداد فوق الفطری قوت سے ظاہر فرمایا۔

(۳)۔حدیث: عن ابن عمر قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفرفاقبل اعرابي فلما دنیٰ قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم تشهد ان لا إله إلا الله

(۱)....مشكاة المصابيح،باب علامات النبوة ، ص:٥٢٤.

وحده لاشريك له وان محمداً عبده ورسوله قال ومن يشهد علىٰ ماتقول قال هٰذه السلمة فدعاها رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاطي وادى فاقبلت تخد الارض حتى قامت بين يديه فاستشهدها ثلاثا فشهدت ثلاثا انه كما قال ثم رجعت إلىٰ منبتهَا.[1]

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پس ایک اعرابی آیا، جب وہ قریب آیا تو اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس بات کی گواہی دوگے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اعرابی نے کہا کہ آپ جو یہ کہہ رہے ہیں اس پر کیا چیز گواہی دے رہی ہے آپ نے فرمایا یہ سلمہ (ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کو بلایا، جب کہ وہ وادی کے کنارے پر تھا وہ درخت زمین چیرتا ہوا روانہ ہوا اور حضور کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر حضور نے اس سے تین مرتبہ گواہی لی اس نے تین مرتبہ گواہی دی جیسا حضور نے اس سے فرمایا پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

اب میں مؤلف ”رزم حق وباطل“ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تمام احادیث کریمہ اس بات کو نہیں ثابت کرتیں کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فوق الفطری قوت عطا فرمائی ہے۔ پھر اسے شرک قرار دینا کون سی ایمان داری ہے؟

اب آئیے قرآن کی آیات سے بھی اس بات کا ثبوت لیجیے کہ معجزات کے اظہار میں انبیاے کرام کے علم و ارادہ کو دخل ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انھیں من جانب اللہ

(1)..... رواه الدارمي، مشكاة المصابيح، باب المعجزات، ص: ٥٤١.

اس بات کا اختیار بھی ہے کہ جب چاہیں معجزات اور خوارقِ عادات ظاہر فرمادیں۔

آیت:(۱) ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ﴾ [صٓ:۳۶]

پس ہم نے ہوا کو سلیمان کے زیر حکم کر دیا کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی ہے، جہاں وہ جاتا ہے۔

آیت:(۲) ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ [الانبیاء:۸۱]

اور ہم نے سلیمان کے لیے تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی ہے اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔

یہ دونوں آیتیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر حکم تھی۔ لہٰذا یہ ان کے خداداد فوق الفطری اختیار کی دلیل ہے۔ کیوں کہ حضرت سلیمان کے لیے تسخیر ریح کی یہ صورت کہ جب جیسے اور جہاں چاہیں اس کے مطابق وہ کار بند ہو جائے۔ یقیناً یہ خداداد فوق الفطری قوت و موہبت کا نتیجہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کی۔

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [صٓ:۳۵]

اے رب تو مجھے بخش دے اور ایسا ملک عطا کر کہ میرے سوا کسی کو سزاوار نہ ہو، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔

تو اس کی مقبولیت کا اظہار یوں فرمایا گیا:

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ﴾ [صٓ:۳۶]

تفسیر جلالین کے حاشیہ میں بحوالہ تفسیر مدارک، و تفسیر جمل اس آیت کے

حضرت سلیمان کے لیے یہ تسخیر ریح ایک معجزہ ہے جو انھیں اللہ تعالیٰ
نے عطا فرمایا ہے۔ یوں تو کائنات کی بہت سی چیزیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے
انسان کے لیے مسخر کر دی ہیں کہ انسان جب چاہے، جہاں چاہے، جیسے
چاہے، ان پر خداداد قدرت و اختیار سے تصرف کرے۔ مگر ہوا ایک ایسی
چیز جو عام انسان کے بس میں نہیں کہ جب اور جیسے چاہے اور جہاں چاہے
اس پر تصرف کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے متعلق آیا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا:

آیت:(۳) ﴿اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ [آل عمران:۴۹]

بے شک میں تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے نشانی (معجزہ) لایا
ہوں وہ نشانی یہ ہے کہ میں تمھارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں اور اس
میں پھونک مارتا ہوں تو وہ پرند ہو جاتی ہے، اللہ کے حکم سے۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ کے اظہار میں نبی کے علم و ارادہ اور
قوت و اختیار کو دخل ہے۔ کیوں کہ مٹی سے پرند کی سی مورت بنا کر اس میں پھونک
مارنا، پھر اس مورت کا پرند ہو جانا، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اور یقیناً
اس کے ظہور میں نبی کے کسب و ارادہ کا دخل ہے ۔مگر مولف ”رزم حق و باطل“ کو
اس سے اختلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> مٹی سے چڑیا جیسا ڈھانچہ بنانا، اور منہ سے پھونک مارنا یہ دونوں کام
> انسان کے فطری اختیار و قوت کے دائرے میں آتے ہیں۔ اور اتنا ہی کام

حضرت عیسی نے کیا تھا۔ البتہ مٹی کے ڈھانچہ کو چڑیا بنا دینا انسان کی فطرت قوت سے بالاتر ہے۔ مگر یہ کام حضرت عیسی نے کیا بھی نہیں تھا۔ (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولفِ رزم حق و باطل ابھی تک قدرت علی الخلق اور قدرت علی الکسب کے فرق سے واقف ہی نہیں ہوئے ہیں، ورنہ اس خامہ فرسائی کی جرأت ہی نہیں کرتے۔ ہمارا کب یہ دعویٰ ہے کہ انبیاے کرام معجزات کے خالق ہیں۔ ہم تو صرف اس بات کے قائل ہیں کہ معجزہ کے ظہور میں نبی کی قدرت علی الکسب کو دخل ہوتا ہے۔

چناں چہ حضرت عیسی علیہ السلام کا مورت بنانا، اور اس پر پھونک مارنا، یہ ان کی قدرت علی الکسب سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مورت کو پرندہ بنا دینا یہ خدا کی قدرت علی الخلق ہے لہذا آیئے پہلے قدرت علی الخلق اور قدرت علی الکسب کا فرق معلوم کر لیا جائے۔ پھر اس پر گفتگو کی جائے۔

قدرت علی الخلق اور قدرت علی الکسب کا فرق

کتب عقائد و علم کلام کا یہ مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم یہاں تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف قدرِ ضروری پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھانے، پینے، چلنے، پھرنے اور دیگر عام ضروریاتِ زندگی کو انجام دینے کی جو طاقت و قوت مرحمت فرمائی ہے، اس کو پختہ ارادہ کے ساتھ اسباب کی طرف متوجہ کرنا کسب ہے۔ اور ان کاموں کی طاقت و قوت کا نام قدرت علی الکسب ہے، مگر بندہ کی اس

(۱)…. حاشیہ رزم حق و باطل، ص:۹۵۔

قدرت علی الکسب کے نتیجہ میں فعل کا وجود اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ارادۂ الٰہی شامل نہ ہو۔

قرآن میں ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [الإنسان:٣٠]

تم جس کام کا ارادہ کرتے ہو، وہ اللہ کے ارادہ ہی سے کرتے ہو۔

ایک دوسری آیت میں ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الصافات:٩٦]

اللہ تمھارا، اور تمھارے اعمال کا خالق ہے۔

اور کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا خلق اور تخلیق ہے۔ اور عدم سے وجود میں لانے کی قدرت کو قدرت علی الخلق کہتے ہیں۔

"شرح عقائد نسفی" میں ہے:

ان صرف العبد قدرته و ارادته إلى الفعل كسب وايجاد الله تعالىٰ الفعل عقيب ذٰلك خلق والمقدور الواحد داخل تحت قدرتين لكن بجهتين مختلفين فالفعل مقدور الله تعالىٰ بجهة الايجاد ومقدور العبد بجهة الكسب.

بندہ کا اپنی قدرت وارادہ کو فعل کی طرف متوجہ کرنا کسب ہے۔ اور اسی کسب کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو وجود میں لانا خلق ہے۔ ایک مقدور، دو قدرت (قدرت علی الخلق اور قدرت علی الکسب) کے تحت داخل ہو سکتا ہے، جب کہ ہر ایک کی حیثیت مختلف ہو۔ پس وہی فعل اللہ کے زیر قدرت ہے ایجاد کی حیثیت سے اور بندہ کے زیر قدرت ہے کسب کی حیثیت سے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں حضور اکرم ﷺ سے ایک فعل کی نفی کی گئی ہے۔ پھر اسی کا اثبات کیا گیا ہے، جیسا کہ آیا ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ [الانفال:١٧]

اور آپ نے (یعنی محمد ﷺ نے) خاک نہیں پھینکی، جب کہ آپ نے پھینکی، لیکن اللہ نے پھینکی۔

اس آیت میں پہلے حضور اکرم ﷺ سے خاک پھینکنے کی نفی کی گئی ہے، پھر خاک پھینکنے کا اثبات بھی کیا گیا ہے، جس سے بظاہر قول بالمتناقضین لازم آرہا ہے۔ اس لیے حاشیۂ جلالین میں تفسیر مدارک کے حوالہ سے اس آیت کی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ سے خاک پھینکنے کی نفی باعتبار قدرت علی الخلق کے ہے۔ اور خاک پھینکنے کا اثبات قدرت علی الکسب کے ہے۔

"تفسیر مدارک" کے الفاظ یہ ہیں:

وفي الآية بيان ان فعل العبد مضاف اليه كسباً و إلى الله تعالىٰ خلقاً.[1]

اور اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ جب کسی فعل کی نسبت بندہ کی طرف کی جائے تو وہ باعتبار کسب کے ہے اور جب خدا کی طرف کی جائے تو وہ باعتبار خلق ہے۔

ایک فعل ہے مگر قرآن کریم میں اس کی نسبت کبھی بندہ کی طرف کی گئی ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے:

(۱)—﴿يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ [الإنعام:٦١]

---

(1)....تفسير مدارك.

اللہ تعالیٰ تمھارے پاس حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے، تو ہمارے فرشتے اس کو موت دیتے ہیں۔

(۲)۔﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ [السجدہ:۱۱]

(اے رسول) تم فرمادو کہ تمھیں ملک الموت وفات دیتے ہیں جو تم پر مقرر کیے گئے ہیں۔

ان آیتوں میں موت اور وفات دینے کی نسبت بندہ کی جانب کی گئی ہے، مگر اسی فعل کی نسبت خدا نے خود اپنی طرف بھی کی ہے جیسا کہ آیا ہے:

(۱)۔﴿وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ﴾ [یونس:۱۰۴]

اور لیکن اس خدا کی عبادت کرو، جو تمھیں وفات دیتا ہے۔

(۲)۔﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾ [الزمر:۴۲]

اور اللہ ہی جانداروں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔

پس تَوَفّٰی (وفات دینے) کی نسبت جس طرح فرشتوں کی طرف باعتبار کسب فعل کے کی گئی ہے، اسی طرح خلقِ طیر، یعنی پرند بنانے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف باعتبار کسبِ فعل اور معجزہ کے، کی گئی ہے نہ کہ خلق بمعنی ایجاد بعد العدم کے، البتہ اس مقام پر مؤلف رزم حق و باطل نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اس کارنامہ میں اگر ان کی قدرت علی الکسب کو دخل ہوتا تو وہ یہ کیوں کہتے کہ وہ مورت اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے گی —— جب کہ عام افعالِ عباد میں یہ قید نہیں لگائی جاتی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

عام افعال کے ساتھ اذن الٰہی کی قید نہ لگانا، اور ان مقامات پر اذن

کی قید لگانا کیا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ یہ امور اذنِ الٰہی کے سلسلے میں عام افعال عباد سے کسی قدر مختلف ہیں، یعنی عام افعال میں تو بندوں کا کسب بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن ان امور میں بندوں کا کسب شامل نہیں، بلکہ ان کا وجود محض اذنِ الٰہی سے ہے۔ بندہ صرف اس کا مقام ظہور ہے۔

اس میں مؤلف "رزم حق و باطل" کے قصور فہم کے ساتھ، قصور نظر بھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن کی ایک دوسری آیت میں بھی مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے:

(۲)—﴿وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ﴾ [المائدۃ: ۱۱۰]

اور جب تو (اے عیسیٰ) مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا ہے پھر اس میں پھونک مارتا ہے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی ہے۔

اس آیت میں مٹی سے پرند کی سی مورت بنانے کے فعل کو بھی اذنِ الٰہی کی قید سے مقید کیا گیا ہے، جب کہ مؤلف رزم حق و باطل نے اس فعل کا انسان کی فطری قوت کے دائرے میں ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ عام افعال میں اذنِ الٰہی کی قید نہیں لگائی گئی ہے سراسر ان کے قصور نظر کا نتیجہ ہے۔ اور ان کا قصور فہم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زیر بحث آیت میں اذنِ الٰہی کی قید اس لیے نہیں لگائی کہ وہ اظہار معجزہ (یعنی تخلیقِ طیر) میں قدرت علی الکسب نہیں رکھتے، بلکہ اس لیے لگائی کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کمالات نبوت کے نتیجہ میں مجھ سے صادر ہونے والے یہ فوق الفطری افعال اگرچہ میری قدرت علی الکسب سے عالمِ وجود میں آئے۔ مگر میرے یہ افعال جو خداداد فوق الفطری افعال کے نتیجے میں صادر ہوئے ہیں، وہ اذنِ الٰہی سے ہوئے ہیں۔ بے اذنِ الٰہی کے نہیں — لہٰذا کوئی میرے ان مافوق الفطری افعال کے

بارے میں مشرکانہ تصور نہ پیدا کرلے، اور مجھے خدا نہ سمجھ لے۔
یہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اذنِ الٰہی کی قید لگانے کا مقصد، نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ قید لگا کر اپنے سے قدرت علی الکسب کی نفی کی ہے۔

چناں چہ آیت زیر بحث پر ایک غائر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں تمھارے لیے تمھارے رب کی جانب سے نشانی اور معجزہ لایا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مٹی سے پرند کی سی صورت بناتا ہوں، اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اذن الٰہی سے پرند ہو جاتی ہے۔۔۔۔ میں پوچھتا ہوں کہ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی سے پرند کی صورت کیوں بنائی، اور اس میں پھونک کس لیے ماری؟

یوں ہی محض کھیل تماشا کے طور پر ایسا کیا، یا کوئی اہم مقصد پیش نظر تھا۔
ظاہر ہے یہ سب کچھ انھوں نے اس مقصد کے لیے کیا کہ یہ مورت پرند ہو جائے اور ان کی قوم پر ان کا نبی اور مبعوث من اللہ ہونا ثابت ہو جائے عام انسان مٹی سے پرند کی سی مورت تو بنا سکتا ہے، اور اس میں پھونک بھی مار سکتا ہے۔ مگر پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ یہ کہہ کر کہ میرے پھونک مارنے کے بعد وہ مورت اذنِ الٰہی سے پرند ہو جائے گی اپنے اس دعوی کو ثابت نہیں کر سکتا مورت کو پرند کر دینا یہ بلا شبہہ اللہ کا فعل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ عام انسان کی پھونک میں یہ تاثیر نہیں رکھی یا تاثیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک کو عطا فرمائی۔

لہذا یہ ہوئی ان کی خداداد فوق الفطری قوت، افسوس! کہ جذبہ تنقیص انبیا نے مولف "رزم حق و باطل" کی جرأت اس حد تک بڑھا دی کہ تخلیقِ طیر کی حیثیت ان کے نزدیک وہی ہے جو کشتی کے چلنے کی ہے وہ **لکھتے ہیں:**

آپ جیسے سُنّی کو اتنا معلوم ہونا ہی چاہیے کہ اختیاری فعل کے لیے

اِستعمال ہونے والا لفظ ضروری نہیں کہ ہر جگہ اختیاری فعل ہی کے لیے استعمال ہو، ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ ﴾ [لقمان: ۳۱] پر غور کیجیے ــ کشتی اپنے اختیار سے نہیں چلتی، مگر اس کی طرف چلنے کی نسبت کی گئی ہے جو اختیاری فعل ہے۔ پس اسی طرح معجزات کی نسبت انبیا کی طرف کی گئی ہے جو ان کا اختیاری فعل نہیں ہے، بلکہ صرف ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔[1]

جناب کی عربی دانی کا یہ حال ہے کہ ان کو یہ تک نہیں معلوم کہ آیت قرآنی ﴿ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ﴾ کا یہ ترجمہ "کشتی دریا میں چلتی ہے"، اردو محاورہ کا ترجمہ ہے نہ کہ لغوی ترجمہ، اس لیے کہ آیت ﴿ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ﴾ کا لغوی ترجمہ "کشتی دریا میں بہتی ہے"۔ ہوتا ہے نہ کہ چلتی ہے۔ ایسے موقع پر "چلنا" بمعنی بہنا مجازی طور پر مستعمل ہوتا ہے جو اختیاری فعل نہیں ہے۔ لہذا آیت ﴿ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ﴾ سے یہ استدلال قطعی صحیح نہیں ہے کہ اختیاری فعل کی نسبت غیر اختیاری کی طرف کی گئی ہے۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ اسی علمی سرمایہ پر وہ بزعم خویش قرآن فہمی کا اِدّعا کر رہے ہیں۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلاّ　　کارِ مذہب خراب خواہد شد

ارادۂ الٰہی اور ارادۂ عبد کے درمیان فرق

نبی اپنے ارادہ و اختیار قدرت و تصرف کو بروے کار لانے میں ارادۂ الٰہی کے تابع ہوا کرتا ہے۔ کیوں کہ ان کا ارادہ، ارادۂ تامہ نہیں اور ان کا اختیار، اختیار تام

(1)....حاشیہ رزم حق و باطل، ص:۱۶۵.

نہیں۔ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے جو کام بھی کرتا ہے خواہ وہ فوق الفطری ہو یا تحت الفطری، اس میں وہ ارادۂ الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ ارادۂ الٰہی کو ارادۂ تامہ، اور اختیار الٰہی کو اختیار تام کہا جاتا ہے ارادۂ تامہ کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ جس امر کے ساتھ متعلق ہو اس امر کا وجود و ظہور لازمی ہوجائے۔ اسی طرح اختیار تام کا مطلب بھی یہ ہے کہ اختیار جس امر کے ساتھ متعلق ہو وہ امر لازمی طور پر تحقیق پذیر ہوجائے۔ آگے چل کر ہم ارادہ و اختیار کے فرق کو واضح کریں گے۔

یہاں مجھے یہ بتانا ہے کہ ارادہ و اختیار کی نسبت جب غیر خدا کی طرف ہو تو اس سے مراد ارادۂ غیر تامہ اور اختیار غیر تام ہے۔ یعنی ارادہ و اختیار جس امر کے ساتھ متعلق ہو اس امر کا لازمی طور پر وجود و ظہور میں آنا ضروری نہیں۔

"نبراس" میں ہے:

الحاصل۔ انّ المشيّة عبارة عن الارادة التامة التي لايتخلف عنها الفعل وهو الايجاد والارادة يطلق على التامة وعلىٰ غير التامة فالاولىٰ هي المرادة في جانب الله تعالىٰ وثانية في جانب العباد.[1]

خلاصہ یہ ہے کہ مشیت کے معنی ارادۂ تامہ کے ہیں، جس کے بعد فعل کا ظہور لازم ہے اور اسی کو ایجاد کہتے ہیں ـــ اور ارادہ کا لفظ ارادۂ تامہ، اور غیر تامہ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے ـــ ارادۂ تامہ اللہ کے ارادہ میں مراد لیا جاتا ہے ـــ اور ارادۂ غیر تامہ بندوں کے ارادہ میں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الاَمْنُ وَالعُلیٰ" میں فرماتے ہیں:

(1)..... نبراس، ص: ۱۵۱.

مراد کا اختیار سے مختلف نہ ہو سکنا قدرت الٰہیہ کا خاصہ ہے۔ قدرت عطائیہ انسانیہ میں لاکھ بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کیا چاہتا ہے اور اللہ نہیں چاہتا، نہیں بن پڑتا۔ اس سے نہ انسان پتھر ہو گیا، نہ اس کا اختیار مسلوب، عطائی کی شان ہی یہ ہے کہ جب تک ارادۂ ذاتیہ، حقیقیہ، الٰہیہ مساعدت نہ فرمائے کام نہیں دیتا۔[1]

کتب علم کلام میں یہ مباحث پوری شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں — اختصار کے پیش نظر ہم نے اسی پر اکتفا کیا۔ رہی یہ بات کہ ارادہ اور اختیار کے درمیان کیا فرق ہے؟ — **اس کے متعلق علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی "حاشیہ عقائد جلالیہ" میں فرماتے ہیں:**

الفرق بین الا ارادۃ والاختیار اعتباري قالوا الاختیار ھو الارادۃ مع ملاحظۃ الطرف الآخر وکان المختار ینظر إلیٰ الطرفین ویمیل الیٰ احدھما والمرید ینظر إلیٰ الطرف الذي یریدہ۔[2]

اور ارادہ واختیار کے درمیان فرق اعتباری ہے۔ علما کا کہنا ہے کہ اختیار اس ارادہ کا نام ہے جس میں ایک امر کی طرف توجہ کے ساتھ دوسرے امر کی طرف بھی توجہ ہو، گویا صاحبِ اختیار، فعل کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے کسی ایک پہلو کی طرف مائل ہو جائے، اور ارادہ میں صاحبِ ارادہ کی نظر صرف اس پہلو پر ہوتی ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

واضح رہے کہ ارادہ ومشیت کی نسبت جب خدائے تعالیٰ کی طرف ہو تو یہ دونوں ایک ہی معنی پر بولے جاتے ہیں۔ یعنی قدرت تخلیقیہ کو فعل کی جانب متوجہ

---

(1)....الامن والعلیٰ، ص:۱۱۷۔
(2)....حاشیہ عقائد جلالیہ، ص:۵۱۔

کرنا۔ اور جب بندوں کی طرف منسوب ہوں تو دونوں میں فرق ہے۔

جیساکہ حاشیۂ نبراس میں ہے:

قال القاري الارادة والمشيّة واحدة عندنا في خلق الله.[1]

یعنی حضرت ملاعلی قاری نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک تخلیق میں ارادہ ومشیت کے ایک ہی معنی ہیں۔

اسی حاشیہ نبراس میں ہے:

اما في جانب العباد فيفترقان.[2]

لیکن مشیت وارادہ جب بندوں کی جانب منسوب ہوں تو دونوں میں فرق ہے۔

ارادہ بمعنی رضا

کبھی ارادہ کا اطلاق رضا و پسند کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ اور اس معنی میں جب ارادہ کی نسبت اللہ کی جانب ہو تو اس میں وہ امر جس کے ساتھ ارادہ متعلق ہو، اس کا وجود میں آنا ضروری نہیں۔ بندہ اگر گناہ کرتا ہے تو اس کا یہ فعل اگرچہ خدا کے ارادہ ومشیت کے تابع ہو کر ہی ہوتا ہے۔

جیساکہ قرآن میں ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [الإنسان: ۳۰]

تم جو چاہتے ہو وہ اللہ کی مشیت سے ہی ہوتا ہے۔ مگر اس گناہ کے فعل میں اللہ کی مرضی شامل نہیں ہوتی۔

(1)....حاشیۂ نبراس، ص: ۲۱۰.

(2)....حاشیۂ نبراس ، ص: ۲۰۱.

قرآن حکیم میں ہے:

﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ﴾[زمر:۷]

اگر تم کفر کرو تو اللہ تم لوگوں سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں۔

مشرکین عرب نے ارادہ، مشیت اور رضا کے مفہوم میں فرق نہ کرکے زبردست ٹھوکریں کھائیں۔ چناں چہ جب ان سے یہ کہا گیا کہ تم لوگ بتوں کی کیوں پوجا کرتے ہو، جب کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا۔

جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ﴾[الزخرف:۲۰]

اگر خدا چاہتا کہ ہم انھیں نہ پوجیں، تو نہ پوجتے۔

مطلب یہ کہ ہم جو ان بتوں کی پوجا کر رہے ہیں وہ خدا کے چاہنے سے ہی کر رہے ہیں۔ لہذا خدا کے چاہے سے جو کام کیا جائے تو اس پر عذاب و مواخذہ کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا۔ حالاں کہ یہ ان کا زبردست مغالطہ ہے کیوں کہ ایک چور بھی اپنی چوری پر اگر یہی دلیل پیش کرے کہ اگر خدا چاہتا کہ ہم چوری نہ کریں، تو نہ کرتے، تو کیا ان کی یہ دلیل درست مانی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں ارادہ کا لفظ دونوں ہی معنوں میں وارد ہوا ہے۔

آیت کریمہ: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ﴾[البروج:۱۶] میں ارادہ، معنی اول میں بولا گیا ہے۔ یعنی قدرت تخلیقیہ کو کسی چیز کے وجود میں لانے کی طرف متوجہ کرنا لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے وجود کا جامہ پہنا ہی دیتا ہے۔

اور آیت کریمہ: ﴿تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ﴾

[الانفال:٦٧] میں ارادہ بمعنی رضا مراد ہے۔ یعنی تم لوگ دنیا کے مال ومتاع کو پسند کرتے ہو، جب کہ اللہ تم لوگوں کے لیے آخرت کی اچھائی کو پسند فرماتا ہے۔

یہاں خدا کی مرضی کے بر خلاف انسان کا دنیا کے مال ومتاع کی تحصیل میں لگ جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس آیت میں ارادہ بمعنی رضا ہے، نہ بمعنی اول۔

امر الٰہی کے معنی

جس طرح ارادۂ الٰہی کے دو معنی ہیں: ایک ارادہ بمعنی مشیت، دوسرے اراہ بمعنی رضا، اسی طرح امر الٰہی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو امور تخلیقیہ تکوینیہ سے متعلق ہے۔ دوسری وہ جو امور تکلیفیہ وتشریعیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

آیت قرآنی: ﴿اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ [یٰسٓ:٨٢] میں امر سے مراد تکوینی ہے۔

اور آیت: ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ [الاعراف:١٢] میں امر سے مراد امر تشریعی ہے۔ امر الٰہی کی یہ دوسری صورت وہی حیثیت رکھتی ہے جو ارادہ بمعنی رضا کی ہے۔ یعنی جس طرح ارادہ بمعنی رضا میں مراد ارادہ کے خلاف ہو سکتی ہے، اسی طرح امر تشریعی کے خلاف ہو سکتا ہے۔

ابلیس کو جو سجدہ کا حکم ہوا وہ امر تکوینی نہیں، بلکہ تشریعی تھا۔ اور امر تشریعی میں مامور (جس کو حکم دیا گیا) اگر حکم کو بجا لائے گا تو ثواب اور انعام کا مستحق ہوگا، بجا نہیں لائے گا تو عذاب اور خسران کا مستحق ہوگا۔

اسی بنا پر علامہ محقق جلال الدین دوّانی "شرح عقائد عضدیہ" میں فرماتے ہیں:

الأمر، امران، امر تکوینی یلزم وقوع المامور بہٖ

وهو يعمّ سائر الممكنات وامر تشريعى وتدوينى وعليه مدار الثواب والعقاب.[1]

امر الٰہی کی دو قسمیں ہیں: ایک امر تکوینی جس میں مامور بہ کا وجود میں آنا لازم ہے۔ اور یہ تمام ممکنات کو شامل ہے۔ اور دوسری امر تشریعی، اور اسی پر ثواب و عقاب کا دارومدار ہے۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ یہاں ہمیں یہ کہنا ہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام کے معجزات و خوارق عادات کے سلسلہ میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بات کی قدرت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہیں، جیسے چاہیں معجزات و خوارق عادات صادر فرمائیں۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کے لیے قدرت تامہ کے قائل ہیں۔ قدرت تامہ تو الوہیت کے لوازم سے ہے، اور قدرت تامہ کے لوازم سے ہے ارادۂ تامہ اور اختیار تام کا ہونا، لہذا یہ دونوں بھی خواص الوہیت سے ہوئے۔ اور قدرت تامہ اور ارادۂ تامہ کی یہ خصوصیت ہے کہ مراد ارادہ کے خلاف نہ ہو سکے مختار اختیار کے خلاف نہ ہو سکے، مقدور قدرت کے باہر نہ ہو سکے۔ بندوں کی قدرت اور ارادہ و قصد کے لیے یہ چیزیں ضروری نہیں ہیں۔

لہذا جو چیزیں بندوں کے زیر قدرت و اختیار ہیں وہ اگر کبھی ان کی قدرت و اختیار کے نتیجہ میں ان کے اختیار کے مطابق وقوع پذیر نہیں ہوئیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کے زیر قدرت و اختیار نہیں تھیں۔ اس لیے وقوع پذیر نہیں ہوئیں۔

لہذا اب ان اعتراضات کی گنجائش ہی ختم ہوگئی، جو مؤلف "رزم حق

---

(1)....شرح عقائد عضديه ، ص:٥٩.

وباطل" نے سنّی جماعت پر وارد کیے ہیں کہ فلاں موقع پر نبی نے کسی کام کو کرنا چاہا، مگر وہ کام نہیں ہوا۔ چاہا کہ ابوطالب ایمان لے آئے، مگر نہیں لایا۔

اس لیے کہ ہمارا کب یہ دعویٰ ہے کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنے خداداد اختیار میں اتنے مستقل اور بااختیار ہیں کہ خدا کی مشیت وارادہ کے بغیر جو چاہیں کرلیں ـــــ روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان ایک کام کو کرنا چاہتا ہے مگر کسی وجہ سے نہیں کرپاتا، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اس کام کے کرنے پر مطلق قدرت واختیار نہیں رکھتا۔ اسی طرح کسی کام کے کرنے سے معذرت ظاہر کرنا بھی ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اختیار میں نہیں ہے۔ ہزارہا مصالح وحِکَم ہوتے ہیں، جن کی بنا پر انسان اس کام کو نہیں کرتا، جس پر اس کو اختیار ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک خبیث جِن حضور ﷺ کے سامنے نماز کی حالت میں ظاہر ہوا تاکہ نماز میں خلل انداز ہو تو حضور ﷺ فرماتے ہیں:

فامكنني الله منه فاخذته فاردت ان اربطه علىٰ سارية من سواري المسجد حتى تنظروا اليه كلكم فذكرت دعوة اخي سليمان رب هب لِىْ ملكاً لاينبغي لاحد من بعدي فرددته خاسئاً. [متفق عليه][1]

پس اللہ نے مجھ کو اس پر قابو دیا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، اور ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے کسی کھمبے سے باندھ دوں تاکہ تم میں سے ہر ایک دیکھ لے۔ اتنے میں مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا: "رب هب لي ملكاً لا ينبغي لأحد من بعدي" یاد آگئی، تو میں نے اس کو ذلیل کرکے چھوڑ دیا۔

(1)....مشكاة المصابيح، ص:٩١.

حضور ﷺ کا اس خبیث جن پر اپنی خداداد قدرت و اختیار کا اظہار فرما کر یہ ارشاد فرمانا کہ میں نے چاہا تھا کہ اس کو مسجد کے کسی کھنبے سے باندھ دوں تاکہ سب لوگ اسے دیکھ لیں۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا خیال کرتے ہوئے میں نے اسے نہیں باندھا۔ اِس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ بسا اوقات کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر حضور نے اس کام کو نہیں کیا، جس کا انھیں قدرت و اختیار حاصل تھا۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کسوف شمس (سورج گہن) کی نماز ادا فرمارہے تھے۔ اثنائے نماز میں اچانک آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹے۔ جب نماز ختم ہوئی تو صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہم لوگوں نے یہ دیکھا کہ آپ نے نماز کی حالت میں آگے بڑھ کر کوئی چیز لی۔ پھر پیچھے ہٹ گئے۔ **فرمایا:**

انی رأیت الجنۃ فتناولت منہا عنقوداً و لو اخذتہ لَاَکلتم منہ ما بقیت الدنیا.

بے شک میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے انگور کے خوشے لینے کے لیے آگے بڑھا اور اگر میں لے لیتا تو تم لوگ اسے کھاتے رہتے، جب تک دنیا رہتی۔[1]

انگور کے خوشوں کو اگر حضور لے لینا چاہتے تو لے لیتے۔ اس پر حضور ﷺ کو خداداد اختیار تھا، مگر کسی مصلحت کی بنا پر نہیں لیا۔

حضور ﷺ کے حالات زندگی میں بے شمار ایسی روایتیں ملیں گی کہ بعض وقت حضور ﷺ نے ایک کام کیا۔ اور بعض وقت اس کو کرنے سے اعراض فرمایا۔ مشکاۃ شریف میں ایک روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں مرگی کی مریضہ ہوں، اور

---

(۱)....مشکاۃ المصابیح بحوالہ بخاری .

جب مجھ پر مرگی کا دورہ ہوتا ہے تو میں برہنہ ہو جاتی ہوں ——— لہٰذا دعا فرمائیے کہ میں اس مرض سے نجات پا جاؤں ۔ اِرشاد فرمایا:

إن شئت صبرت ولك الجنة وإن شئت دعوت الله ان يعافيك، فقالت اصبر فقالت اني اتكشف فادع الله ان لا اتكشف فدعالها.(1)

اگر تو چاہے صبر کر، اور تیرے لیے جنت ہو، اور اگر چاہے تو تیرے لیے خدا سے دعا کروں کہ وہ تجھے اچھا کر دے، اس نے کہا کہ میں صبر کروں گی۔ پھر اس نے کہا کہ میں برہنہ ہو جاتی ہوں ۔ اس کے لیے خدا سے دعا کیجیے کہ میں برہنہ نہ ہو جاؤں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی۔

یہاں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی درخواست پر اس عورت کو صبر کی ترغیب دی ——— مگر ایک دوسری روایت میں ہے کہ عثمان ابن ابی العاص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک مرض کی شکایت کی اس پر حضور نے ان کو صبر کی ترغیب دینے کے بجائے مرض سے اچھا ہو جانے کی دعا تلقین فرمائی ——— اور دعا نہیں فرمائی، ارشاد فرمایا:

ضع يدك على الذي يألم من جسدك وقل بسم الله ثلاثاً ، وقل سبع مرات اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد و احاذر ففعلت فاذهب الله ماكان بي.رواه مسلم.(2)

اپنے ہاتھ کو جسم کے اس حصہ پر رکھو جس میں تکلیف ہے۔ اور تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ — اعوذ بعزة الله وقدرته من شرما اجد و

(1)....مشكاة المصابيح ،ص:۱۳۷ .
(2)....مشكاة المصابيح ،ص:۱۳٤ .

احاذر — پڑھو، ان کا بیان ہے کہ میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ تکلیف زائل فرمادی۔

سوال یہ ہے کہ مرگی کی وہ مریضہ جس نے دعا کی درخواست کی تھی۔ اس کو حضور ﷺ نے صبر کی ترغیب دی۔ جب کہ یہ عورت بظاہر صحت وعافیت کی زیادہ محتاج تھی۔ اور اور یہاں عثمان ابن ابی العاص کو حضور ﷺ نے صبر کی ترغیب نہیں دی، بلکہ دعا تلقین فرمائی جس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے افعال واحوال اقوال وارشادات میں ہزارہا مصالح وحِکم مضمر ہوا کرتے ہیں۔ پس کسی کام کی درخواست پر اس کام کا نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس پر معاذ اللہ سرور کونین کو قدرت واختیار نہیں تھا۔

ازالۂ غلط فہمی

انبیاے کرام علیہم السلام کے معجزات و خوارق عادات کے سلسلہ میں ہمارے اس موقف کی تردید میں صاحب رزم حق و باطل نے ایک جگہ یوں خامہ فرسائی کی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ زمین سے کوئی چشمہ بہادیں، یا آپ کے پاس کھجوروں، اور انگوروں کا کوئی ایسا باغ ہو جس کے درمیان نہریں بہ رہی ہوں، یا آپ آسمان کے ٹکڑے ان پر گرادیں، یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ یا آپ کے پاس طلائی گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں، اور کوئی ایسی کتاب اتار دیں جسے ہم پڑھیں، تو آپ پر ایمان لائیں گے۔ اس کا جواب آپ یہ

دیتے ہیں۔

﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾[الاسراء:۹۳]

میرا رب پاک ہے، میں تو محض ایک پیغمبر ہوں، اور بشر ہوں۔

اس کا کیا مطلب کہ ان چیزوں کی لانے کی طاقت مجھے نہیں دی گئی ہے۔ یہ خدا کے تصرفات ہیں، اور میں ایک انسان کی فطری قوت سے بالاتر قوت نہیں رکھتا۔ اگر ایسا سمجھا گیا تو یہ اللہ کی سُبّوحیت کے خلاف ہوگا۔[1]

حالاں کہ یہ سراسر ان کا من گھڑت اور خود ساختہ مطلب ہے۔ کیوں کہ یہاں حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے بحکم خداوندی بعض حکمتوں و مصلحتوں کی بنا پر ان کے مطالبۂ معجزہ پر اظہار معجزہ سے اعراض فرمایا۔ چناں چہ ہم آگے چل کر اظہار معجزہ سے اعراض کے وجوہ و اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔ ورنہ جہاں تک حضور ﷺ کی خداداد قدرت و اختیار کا تعلق ہے تو اس کے پیش نظر ان کے یہ مطالبات کوئی ایسے نہ تھے جن کو حضور ﷺ پورا نہ کرسکتے تھے۔ مثلاً ان کا یہ مطالبہ کہ آپ کے پاس طلائی گھر ہو، بلاشبہہ ایسا مطالبہ تھا جس کو حضور ﷺ پورا کرسکتے تھے۔

مشکاۃ شریف کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یاعائشة لو شئت لسارت معي جبال الذهب.[2]

یعنی اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔

جب سونے کے پہاڑ حضور ﷺ کے ساتھ چل سکتے تھے تو طلائی گھر میں کیا دشواری تھی۔ مگر بات یہ تھی کہ منشاے الٰہی کے پیش نظر حضور ﷺ نے ان کا مطالبہ پورا نہیں فرمایا۔ اسی طرح جہاں تک زمین سے چشمے جاری کرنے کی بات تھی تو

(1)....رزم حق وباطل ،ص:۱۰۸.

(2)....مشکاۃ المصابیح ،ص:۵۲۱.

حضور ﷺ ان کے اس مطالبے کو پورا فرما سکتے تھے۔

چناں چہ مشکاۃ شریف میں بحوالہ بخاری و مسلم حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ مقام حدیبیہ میں صحابۂ کرام پیاسے ہوگئے، حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگ پیاسے ہیں ہم لوگوں کے پاس نہ تو وضو کے لیے پانی ہے نہ ہی پینے کے لیے، یہ سُن کر حضور ﷺ نے پانی کا برتن منگایا، اور اس میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا۔

فجعل الماء يفور من بين اصابعه كامثال العيون قال فشربنا و توضأنا قيل لجابر كم كنتم قال لوكنا مائة الف لكفانا كنا خمس عشرة مائة.[1]

پس حضور ﷺ کی انگشتان مبارکہ سے پانی چشموں کی مانند ابلنے لگا۔ حضرت جابر سے کسی نے پوچھا کہ آپ لوگ کتنے تھے کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی سب کو کافی ہوجاتا، ہم لوگ پندرہ سو تھے۔

جب حضور ﷺ نے اپنی انگشتانِ مبارکہ سے پانی کے چشمے جاری فرمادیے تو زمین سے پانی کی نہریں نکالنا کون سا مشکل کام تھا؟۔ مگر بات یہ ہے کہ حضرت انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا کام خدا کی مشیت اور اس کی رضا کے تابع ہوا کرتا ہے۔ جہاں منشاے الٰہی اظہار معجزہ کو مقتضی نہیں ہوتی، وہاں یہ حضرات اس کے اظہار سے اعراض فرماتے، ورنہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ خداے ذوالجلال نے اپنے رسولوں کو دنیا میں اسی لیے تو مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو ہدایت فرمائیں اور خدا کی توحید سے روشناس کرائیں۔ معجزات اسی لیے ظاہر فرمائے کہ ان کی رسالت کی دلیل بنیں۔

---

(۱)....مشكاة المصابيح ، باب المعجزات ،ص:۵۳۲.

تو اگر رسول کو اظہار معجزہ کی قدرت نہیں تھی تو خدا کو تو بہر حال تھی۔ جب مشرکین نے قبولِ حق کو اظہار معجزہ پر موقوف و مشروط کر دیا تھا تو خداے تعالیٰ نے کیوں نہیں معجزہ ظاہر فرمادیا۔

پتہ چلا کہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور تھی۔ اب اگر کسی حکمت کی بنا پر معجزہ کے اظہار سے اعراض فرمایا تو اس سے کہاں یہ لازم آیا کہ انبیاے کرام کو خداداد فوق الفطری قوت نہیں تھی۔ پھر مشرکین کے جن مطالبات معجزہ پر حضور ﷺ نے ﴿سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا﴾ [الاسراء: ۹۳] فرمایا۔ اس سے پہلے لفظ "قُلۡ" بھی مذکور ہے۔ یعنی ﴿قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا﴾ [الاسراء: ۹۳] ـــــ ان سے فرمادیجیے اے رسول! کہ میں تو بشر ہوں، رسول ہوں۔

مؤلف "رزم حق و باطل" نے دانستہ اس لفظ "قُل" کو ذکر نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ جان رہے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ جواب حکم خداوندی کے تحت ہے، جس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود ہے کہ مشرکین کے ان مطالبات معجزہ کو پورا نہ کیا جائے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ کو معجزہ پر قدرت و اختیار نہیں تھا۔ چوں کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت اسی لیے تو ہوئی کہ وہ قوم کو شرک سے روکیں اور توحید سے روشناس کرائیں اس لیے کہ ان کی زندگی میں یہ امر خصوصیت کے ساتھ نظر آتا ہے کہ اگر ایک طرف وہ اپنی عبودیت و بندگی کا اظہار فرماتے تو دوسری طرف اپنی شانِ رسالت کو بھی ظاہر فرماتے، تاکہ انھیں نہ تو کوئی عام بشر سمجھے اور نہ ہی بلند تر، خصوصیات و کمالات کو دیکھ کر خدائی کا درجہ دے بیٹھے۔ چناں چہ جب ان سے کوئی معجزہ طلب کیا گیا تو کبھی انھوں نے یہ کہ کر معذرت فرمائی۔

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [ابراھیم: ۱۱]

ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ بے اذنِ الٰہی تمھارے سامنے کوئی معجزہ پیش کریں۔

اور کبھی بجائے معذرت کے برملا معجزہ ظاہر فرمادیتے۔ چناں چہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان کی نبوت و رسالت کو نظر انداز کرتے ہوئے ان سے معجزہ طلب کیا اور یہ کہا۔

﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [الشعراء: ۱۵۴]

تم تو ہماری ہی طرح ایک بشر ہو، پس لاؤ کوئی معجزہ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

تو اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہہ کر معجزہ ظاہر فرمایا۔

﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ [الشعراء: ۱۵۵]

فرمایا یہ اونٹنی ہے، اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے، اور تمھارے لیے بھی ایک معین دن پانی پینے کی باری ہے۔

معلوم ہوا کہ نبی کو جہاں پیغمبرانہ عظمت اور شانِ نبوت کو ظاہر فرمانا منظور ہوا تو اپنی اس شان کو اجاگر کرتے ہوئے فوق الفطری قوت کا بھی مظاہرہ فرمادیا۔

اس جگہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اظہار معجزہ سے اعراض فرمانے کے کچھ وجوہ واسباب پر بھی روشنی ڈال دی جائے، تاکہ حقیقت بالکل نکھر کر سامنے آجائے۔

اظہار معجزہ سے اعراض کے اسباب

چوں کہ معجزات و خوارق عادات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی پیغمبرانہ عظمت پر دلیل و ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے جہاں اس حیثیت کے اجاگر

کرنے کی ضرورت اور مصلحت سامنے آئی تو وہاں انبیاے کرام اس کو واضح کر دیا کرتے تھے۔ اور جہاں اس کی ضرورت و مصلحت نہیں ہوتی وہاں اس کے اظہار سے اعراض فرمایا کرتے تھے۔ چناں چہ جب کسی نبی کی قوم نے محض عناد و سرکشی کے انداز میں ان سے معجزہ طلب کیا تو نبی نے اس موقع پر اظہار معجزہ سے اس لیے اعراض فرمایا کہ اس طلب معجزہ سے ان کا مقصد حق و باطل کے درمیان فرق نہ کرنے کا جذبہ ہے۔

قرآن میں ہے:

﴿ وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ [الانعام:۱۱۱]

اگر ہم ان کی جانب فرشتوں کو نازل کر دیں اور مردے ان سے کلام کریں اور ان کے سامنے ہر چیز موجود کر دی جائے جیسا کہ ان کا مطالبہ ہے تو بھی وہ ایمان لانے کو نہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

﴿ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵ ﴾ [الانعام:۲۵]

اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں، تو بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑیں گے، اور یہ کافر کہیں گے کہ یہ محض اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

﴿ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ ﴾ [الانعام:۷]

اور اے پیغمبر! اگر ہم آپ پر اپنی کتاب اتاریں جو کاغذ میں لکھی ہو پھر وہ اپنے ہاتھوں سے اسے چھوئیں تو بھی وہ لوگ جو کافر ہیں وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ ﴾ [القمر:۲،۱]

نزدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر کوئی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں، اور کہیں کہ یہ جادو ہے، جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔

﴿ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ [الأنعام:۱۰۹]

اور یہ کافر خدا کی زور دار قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ فرما دیجیے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں، اور تمھیں کس نے بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے۔

مطالبۂ معجزہ کے باوجود اظہار معجزہ سے اعراض کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب کسی نبی کی قوم نے نبی سے ایسے معجزہ کا مطالبہ کیا جو ان کی قوم کی قوت واستعداد سے بالاتر تھا، اور جن کی متحمل ان کی قوم نہیں ہو سکتی تھی۔ مثلاً یہ مطالبہ کرنا کہ آپ ہمیں کھلم کھلا خدا کو دکھا دیجیے، اور ایسا کر دیجیے کہ خدا ہم سے کلام فرمائے۔ یا ہمارے پاس فرشتوں کو لے آئے وغیرہ وغیرہ، کہ یہ ایسے معجزات کا مطالبہ ہے، جن کی متحمل وہ قوم نہیں تھی تو اس لیے بھی نبی نے ان کے اظہار سے اعراض فرمایا اور اس اعراض کی وجہ خود ان کی ناقابل تحمل فطرت تھی۔

﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ [النساء:۱۵۳]

آپ سے اہل کتاب اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے

ایک کتاب اتار دیں توان لوگوں نے موسی سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا یعنی کہا تھا ہمیں کھلم کھلا خدا کو دکھا دو۔

﴿ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ﴾ [البقرة:۱۱۸]

اور کہا ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے کیوں خدا ہم سے باتیں نہیں کرتا، یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لاتا۔

﴿لَوۡ مَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷﴾﴾ [الحجر:۷]

کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے اگر تم سچے ہو۔

﴿ وَ قَالُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ مَلَکٌ ؕ وَ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ [الانعام:۸]

اور کہتے ہیں اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ کہہ دیجیے کہ اگر فرشتہ اتارا جاتا تو پھر ان کو مہلت نہیں دی جاتی اور بات پوری ہو جاتی۔

اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ نبی نے قوم کے سامنے اپنی نبوت کی دلیل میں جب کثیر معجزات پیش کیے اور قوم نے ان سے صَرفِ نظر کر کے محض سرکشی اور عناد کی بنا پر یہ کہہ کر مطالبہ کیا کہ آپ کے پاس آپ کے رب کی جانب سے کیوں نہیں کوئی معجزہ اتارا گیا تو ایسے موقع پر نبی کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنی نبوت کی دلیل میں کثیر معجزات پیش کر چکے ہیں۔ اب مزید ان کے مطالبہ کی جانب التفات کی ضرورت نہیں ہے۔

سورۂ رعد میں ہے:

﴿وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ ﴿۷﴾﴾ [الرعد:۷]

اور کفار یہ کہتے ہیں، کیوں نہیں ان پر (حضور ﷺ پر) ان کے رب کی جانب سے معجزہ اتارا گیا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) آپ تو صرف اپنی قوم کو عذاب آخرت سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ہادی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے مطالبہ معجزہ کی جانب التفات نہ فرمائیں۔ کیوں کہ نبوت کے اثبات میں جس قدر معجزات درکار تھے وہ آپ نے پیش کر دیے۔ اب آپ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ جس جس معجزہ کا مطالبہ کریں آپ اسے ظاہر فرمادیں۔

جیسا کہ علامہ بیضاوی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وماعليك الا الاتيان بما تصح به نبوتك من جنس المعجزات لابما يقترح عليك.[1]

آپ پر تو صرف ان معجزات کا پیش کر دینا کافی ہے جو آپ کی نبوت کے اثبات کے لیے ضروری ہیں، آپ پر ان معجزات کا پیش کرنا ضروری نہیں جن کا وہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تفسیر صاوی میں اسی آیت کے تحت ہے:

أي ليس عليك الا الانذار بما اوحى اليك لانهم معاندون كفار ليس قصدهم بذالك الإيمان بل التعنت في الكفر.[2]

یعنی آپ کے ذمہ صرف ڈرانا ہے ان باتوں سے جو آپ پر وحی کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سرکش کفار ہیں، طلبِ معجزہ سے ان کا مقصد ایمان لانا نہیں، بلکہ کفر میں

---

(1)....تفسير بيضاوي.

(2)....تفسير صاوي.

اور حد سے بڑھنا ہے۔

علامہ اسمعیل حقی تفسیر "روح البیان" میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ولما كان الغالب في زمن نبينا صلى الله عليه وسلم الفصاحة والبلاغة جعل معجزته فصاحة القرآن وبلوغة في باب البلاغة إلىٰ حد خارج عن قدرة الإنسان فلما لم يؤمنوا بهذه المعجزة مع انها اقرب إلىٰ طريقتهم واليق بطبائعهم فان لايؤمنوا عند اظهار المعجزات اولىٰ واقترحوا آيات تعنتاً لا استرشاداً والا لاجيبوا إلىٰ مقترحهم.[1]

اور جب ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا غلبہ اور چرچا تھا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی فصاحت اور ان کی اس حد درجہ کی بلاغت کو جو قدرتِ انسانی سے باہر ہے، حضور کا معجزہ کردیا پس جب وہ اس معجزہ پر ایمان نہیں لائے جب کہ یہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے ـــــ تو باقی اور معجزات کے اظہار پر ان کا ایمان نہ لانا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوا، اور ان کفار کا حضور سے معجزہ طلب کرنا سرکشی کی بنا پر تھا نہ کسی طلب حق کی بنا پر، ورنہ ضرور حضور ﷺ ان کے مطالبۂ معجزہ کو پورا کردیتے (یعنی معجزہ ظاہر فرمادیتے)۔

اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ قوم نے نبی سے معجزہ طلب کیا کہ آپ ہمارے لیے کوہِ صفا کو سونا کردیجیے، اور ان پہاڑوں کو ہمارے اردگرد ہیں ہٹادیجیے کہ ہم کھیتی کریں۔ اگر آپ یہ کردیتے ہیں تو ہم لوگ ضرور آپ پر ایمان لائیں گے۔ اس پر حضور ﷺ

(1)....تفسير روح البيان.

نے خدائے ذوالجلال سے اِجازت چاہی، توارشاد فرمایا گیا۔

﴿ وَ مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾

[الاسراء:۵۹]

اور ہم وہ معجزہ نہیں بھیجتے (جس کا اہل مکہ نے مطالبہ کیا) مگر اس وجہ سے کہ اگلی امت نے ان کی تکذیب کی ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب کبھی کسی نبی کی قوم نے اپنے نبی سے خاص قسم کا معجزہ طلب کیا، اور نبی نے ان کے مطالبہ کے موافق معجزہ کا اظہار بھی کر دیا۔ پھر قوم نے قبول حق سے انکار کیا تو ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ اس قوم پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔ اور جب خدا کو یہ منظور ہوتا ہے کہ اس قوم کو باقی رکھے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے گی تو وہ اپنے نبی کو حکم فرماتا ہے کہ ان کے طلب کردہ معجزہ کو ظاہر نہ کریں، اور قوم کو ایسا جواب دیں جو خیر خواہانہ ہو۔

الغرض ان کا معجزہ ظاہر کرنا مشیتِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے تابع ہوا کرتا ہے۔

چناں چہ قرآن نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [ابراهیم: ۱۱]

اور ہمارے ذمہ یہ نہیں ہے کہ ہم کوئی معجزہ بغیر اذنِ الٰہی کے پیش کریں۔

تو اگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اظہارِ معجزہ کے سلسلے میں بالکل بے اختیار ہوتے، انھیں اس پر کچھ قدرت نہ ہوتی تو صاف یہ کہہ دیتے کہ ہم معجزہ ظاہر ہی نہیں کر سکتے۔ معجزہ ظاہر کرنا، اور نہ کرنا صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہے۔ مگر

جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم اذنِ الٰہی کے بغیر تمھارے سامنے کوئی معجزہ نہیں پیش کر سکتے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کے اظہار پر ان کو قدرت ہے۔ مگر وہ اپنی اس خداداد قدرت کو بروئے کار لانے میں حکم خداوندی کے تابع ہیں۔

چناں چہ علامہ قاضی ناصر الدین بیضاوی آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أي ليس الينا الاتيان بالآيات ولاتستبدبه استطاعتنا حتى نأتي بما اقترحتموه وانما هو امر يتعلق بمشية الله فيخص كل نبي بنوع من الآيات.[1]

یعنی ہم لوگوں (انبیا) کے ذمہ یہ نہیں ہے کہ معجزات ظاہر کردیں، اور نہ ہم لوگ ان کے اظہار میں مستقل ہیں۔ کیوں کہ معجزہ ایک ایسا امر ہے جو اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا ہر نبی مخصوص قسم کے معجزہ کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔

اس میں علامہ بیضاوی نے حضرات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے حق میں اظہار معجزہ کے استطاعت کی بالکلیہ نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ اظہار معجزہ میں انبیاے کرام کے مستقل ہونے کی نفی فرمائی۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ بیضاوی انبیاے کرام کے لیے معجزہ کی اس اِستطاعت کو تسلیم کرتے ہیں جو مشیتِ خداوندی کے تابع ہو، اور یہی ہمارا مُدّعا ہے۔ اور اسی کے قائل ہمارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، جیسا کہ ان کی کتاب "الأمن والعلیٰ" کے حوالہ سے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اِن حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ اظہار معجزہ سے اعراض کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ قوم کے کچھ لوگ انبیا و مرسلین کے بارے میں یہ غلط تصور رکھتے تھے کہ انھیں

(1)....تفسير بيضاوي.

بشری خصائص اور لوازم سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہونا چاہیے اور ملکوتی شان ان میں کامل طور پر نمایاں ہونا چاہیے۔ اور عبدیت سے بالاتر مقام کا حامل ہونا چاہیے۔ اور اسی بناپر جب ان لوگوں نے رسولِ کائنات کو بشری صورت میں چلتے پھرتے، اور کھاتے پیتے دیکھا تو بول پڑے۔

(۱)- ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ [الفرقان:۷]

بولے! یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

(۲)- ﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾[الفرقان:۲۱]

اور وہ لوگ جو ہماری لقا کی امید نہیں رکھتے ہیں کہتے ہیں، کیوں نہیں ہم لوگوں پر فرشتے اتارے گئے، یا ہم لوگ خود اپنے رب کو دیکھ لیتے۔

توجب کوئی ایسا معجزہ طلب کیا گیا، جس میں ان کا یہی فاسد گمان، اور بے ہودہ تصور کارفرما ہوتا، تو ایسے وقت نبی اظہار معجزہ سے اعراض فرماتے تاکہ اظہار معجزہ سے ان کے باطل نظریہ کی تائید نہ ہو ـــــ بلکہ عموماً ایسا ہوا ہے کہ نبی ایسے موقع پر ان کے قسم کے بے ہودہ گمان کی تردید کرتے جیساکہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

(۱)- ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾[الانعام:۵۱]

اے رسول! آپ فرمادیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا کہ میں خود غیب جانتا ہوں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف وحی کی تعمیل کرتا ہوں۔

(۲)۔﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۠﴾[الاعراف:۱۸۸]

اے رسول! آپ فرمادیجیے کہ میں اپنی جان کے نفع وضرر کا خود مالک نہیں ہوں مگر جو خدا چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو بہت سا فائدہ حاصل کر لیتا، اور مجھ کو کوئی برائی نہیں پہنچتی، میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور خوش خبری سنانے والا ان لوگوں کو جو ایمان لانا چاہتے ہیں۔

پس یہیں سے معلوم ہوا کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا بلاؤں اور مصیبتوں، بیماریوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونا اسی مقصد کے اظہار کے لیے تھا کہ لوگ انھیں مرتبۂ عبدیت سے مافوق نہ سمجھیں۔ الوہیت اور خواصِ الوہیت سے متّصف نہ قرار دیں۔ پھر ان کے علاوہ صبر وتحمل اور تسلیم ورضا کی راہ سے ان کے مراتب ودرجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں۔

چناں چہ جب ایک دفعہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

یارسول الله أيّ الناس اشد بلاءً.

اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ کون لوگ آزمائش میں مبتلا کیے جائیں گے۔

تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

الأنبياء ثم الامثل فالامثل يبتلي الرجل على حسب دينه فان كان في دينه صلباً اشتد بلاءه وان كان فى دينه رقّة ابتلى علىٰ قدر دينهٖ فما يبرح البلآء بالعبد

حتی یترکه یمشي علی الأرض وماعلیه خطیئة.[1]

انبیا پھر ان کے بعد جو افضل ہیں پھر ان کے بعد جو افضل ہیں۔ آدمی اپنے دین کے اعتبار سے بلاؤں میں مبتلا کیا جاتا ہے، تو اگر وہ اپنے دین میں زیادہ سخت ہے، تو اس پر بلا بھی اسی حساب سے سخت ہوگی، اور اگر اپنے دین میں نرم ہے تو بلا بھی اسی کے بقدر نرم ہوتی ہے۔ بندہ کے ساتھ بلا لگی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہٹتی ہے تو وہ بندہ زمین پر گناہوں سے پاک وصاف ہوکر چلتا ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ جب ایک دفعہ نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور آپ پر حد درجہ نقاہت اور کمزوری آگئی تھی کہ اسی حالت میں جب نماز کی غرض سے مسجد جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔

تو اس کے متعلق علامہ نووی "شرح مسلم شریف" میں فرماتے ہیں:

والحکمة في جواز المرض علیهم ومصائب الدنیا تکثیر اجرهم وتسلیة الناس بهم ولئلایفتتن الناس بهم و یعبدهم لما یظهر علیهم مِنَ المعجزات والآیات البیّنات.[2]

اور انبیائے کرام پر بیماری اور دنیا کی مصیبتوں کے طاری ہونے میں یہ حکمت ہے کہ ان کا ثواب بڑھے اور لوگوں کو انھیں دیکھ کر تسلی ہو، اور یہ حکمت بھی کہ لوگ ان سے ظاہر ہونے والے معجزات اور آیات بینات کو دیکھ کر ان کو معبود نہ سمجھ لیں اور فتنہ میں نہ مبتلا ہوں۔

---

(1)....ترمذي شریف، ۲/ ٦٢.

(2)....شرح مسلم شریف، ١/ ١٧٧.

الغرض نبی کا اظہار معجزہ سے اعراض فرمانا، اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ بے اختیار ہیں۔ اور انھیں اس پر خداداد فوق الفطری قوت واختیار نہیں ہے۔ بلکہ اس سے اعراض فرمانے میں ہزارہا مصالح اور حکمتیں پیش نظر تھیں، جن کی بنا پر انبیاے کرام معجزہ ظاہر نہیں فرمایا کرتے تھے۔

کیا معجزہ نبی کا فعل نہیں

پچھلے صفحات پر یہ بات گزر چکی ہے کہ جس طرح ہمارے روزمرہ کے افعال ہمارے کسب و اختیار سے ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح معجزات اور خوارق عادات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے کسب و اختیار سے ہوا کرتے ہیں۔ مجھے اب اس سلسلہ میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر بات یہ ہے کہ معاملہ کچھ ایسے لوگوں سے پڑگیا ہے جو رات اور دن کے درمیان بھی فرق کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ایک علیحدہ عنوان کے تحت اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈال دی جائے۔

معجزہ اور خرق عادت کے سلسلہ میں عام طور پر جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا فعل ہے، رسول کا فعل نہیں تو اس کا مطلب مؤلف "رزم حق و باطل" نے یہ سمجھ لیا کہ اس کے اظہار میں رسول کے فعل کسب کو بھی دخل نہیں ہے، حالاں کہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ معجزہ خدا کا فعل تو ہے ہی، اس سے مجھ کو بھی اختلاف نہیں، مگر جہاں تک اس کے کسب میں فعلِ رسول کے دخل کی بات ہے تو اس سے بھی اختلاف و انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت نے متعدّد آیتوں میں ان

افعال کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے جو بندہ کے ارادہ و اختیار سے بطور کسب صادر ہوئے ہیں ۔ لہذا اس کے یہ معنی نہیں کہ جب خدائے ذوالجلال نے ان افعال کی نسبت اپنی جانب فرمائی تو اب وہ افعال بندہ کے کسب سے بھی خارج ہو گئے ۔

قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾[الانفال:١٧]

اور اے رسول! آپ نے خاک نہیں پھینکی جب کہ پھینکی تھی، لیکن اللہ نے پھینکی ۔

اس میں کلمہ ﴿وَمَا رَمَيْتَ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے خاک نہیں پھینکی تھی ۔ اور کلمہ ﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے خاک پھینکی تھی ایک ہی جگہ ایک ہی واقعہ میں جس فعل کی نفی حضور ﷺ سے کی گئی ہے، خود اسی فعل کا اثبات کی حیثیت ایک مانی جائے تو اجتماعِ نقیضین کی صورت لازم آئے گی اور یہ عقلاً محال ہے ۔

لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ آیت مذکورہ میں حضور ﷺ سے خاک پھینکنے کی نفی اور حیثیت سے کی گئی ہے، اور اس کا اثبات کسی اور حیثیت سے ہے — علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تفسیر مدارک" میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے خاک پھینکنے کی نفی باعتبار خلق فعل کے ہے ۔ اور اس کا اثبات باعتبار کسب فعل کے، لہذا جہاں کہیں بھی کلام علما میں کہا جاتا ہے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے رسول کا فعل نہیں تو وہاں اس سے یہی مراد ہے کہ معجزہ کے ظہور و وجود میں رسول کے فعلِ خلق کو دخل نہیں، نہ یہ کہ رسول کے فعلِ کسب کو بھی دخل نہیں کیوں کہ اگر معجزہ کے ظہور و وجود میں رسول کے فعل کسب کو بھی دخل نہ ہو تو پھر آیت مذکورہ کا کیا جواب ہوگا، جس میں حضور ﷺ کے لیے خاک پھینکنے کا اثبات فرمایا گیا ہے اور حضور کا یہ خاک پھینکنا حضور کے معجزات میں سے ہے ۔

لہذا مولف رزم حق وباطل کا یہ کہنا کہ معجزے کے ظہور میں رسول کے فعل کسب کو بھی دخل نہیں، صریح قرآن کریم کی مخالفت ہے۔﴿ فَبِاَيِّ حَدِيۡثٍۭ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴾[المرسلات: ۵۰] پھر اس جگہ انھوں نے یہ اعتراض کیا ہے۔

جس طرح معجزات کا فاعل اللہ کو قرار دیا جاتا ہے: ﴿وَ مَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ﴾[الانفال: ۱۷] کیا اسی طرح بریلوی حضرات چوری اور بدکاری کا فاعل اللہ کو قرار دیں گے۔ اگر نہیں تو پھر انبیا کی طرف معجزات کی نسبت اور بندوں کی طرف افعال کی نسبت کو یکساں درجہ کیوں دے رہے ہیں۔[1]

اور یہی اعتراض تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ انھوں نے ایک دوسری جگہ بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس بحث میں آپ اپنی بڑھائی ہوئی طبع زاد قید "تخلیق" کی آڑ لے کر معجزات اور عام افعال عباد کے درمیان فرق کے انکار پر تلے بیٹھے ہیں۔ یعنی دونوں کا خالق آپ اللہ کو مانتے ہیں اور دونوں کا سبب بندوں کو اس لیے یہ سوال سر اٹھائے کھڑا ہے کہ پھر اللہ کی طرف دونوں کے انتساب میں فرق کیوں ہے کیوں معجزات کا فاعل اللہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ اور عام افعال عباد کا فاعل اللہ کو قرار نہیں دیا جاتا۔ یعنی مثلاً جن برص والوں اور اندھوں کو حضرت عیسی علیہ السلام شفا دیتے تھے ان کے شفا کا فاعل یعنی شافی اللہ تعالیٰ کو کہا جائے گا۔ اور بقول آپ کے حضرت موسی علیہ السلام نے ڈنڈا مار کر دریا میں راہ نکالی تو اس کا فاعل اللہ تعالیٰ کو کہا جائے گا: واذ فرقنا بکم

(1)....حاشیہ رزم حق و باطل، ص: ۱۴۵.

البحر۔ اسی طرح بقول آپ کے مٹی کے جن ڈھانچوں کو خلق فرما کر اور اس میں روح پھونک کر حضرت عیسی علیہ السلام چڑیا بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا فاعل یعنی خالق کہا جائے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو نماز پڑھنے والے کے فعل کا فاعل یعنی مصلی کیوں نہ کہا جائے گا۔۔۔ روزہ رکھنے والے کے فعل کا فاعل یعنی صائم کیوں نہیں کہا جائے گا۔ اور عبادت کرنے والے کے فعل کا فاعل یعنی عابد کیوں نہیں کہا جائے گا؟ اس کے صاف معنی تو یہ ہوئے کہ معجزات میں بندوں کے کسب کا بھی دخل نہیں ہے۔[1]

یہ سارے اعتراضات وہ ہیں جو خلقِ فعل، اور کسب فعل کے درمیان فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔ اور اہل باطل کا یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے، بلکہ بہت پہلے فرقۂ معتزلہ نے بھی علماے حق پر یہی اعتراضات کیے تھے۔ افعالِ عباد کے سلسلے میں علماے حق اور فرقۂ معتزلہ کا یہ اختلاف ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے کہ نہیں؟۔۔۔ علماے حق کا کہنا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق نہیں، بلکہ جس طرح اور چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اسی طرح افعال عباد کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے بندہ نہیں، بندہ صرف اپنے افعال کا کاسب ہے۔ فرقۂ معتزلہ کا کہنا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے ان کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ علماے حق اپنے موقف پر قرآن کریم سے دلیل لاتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶﴾ [الصافات:۹۶]

اللہ تمھارا خالق ہے، اور تمھارے اعمال کا بھی۔

---

(1)....حاشیہ رزم حق وباطل، ص: ۱۶۷-۱۶۸.

﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾[غافر:٦٢]

اللہ تمہارا رب ہے، جو ہر شے کا خالق ہے۔

یہ دونوں آیتیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری چیزوں کا خالق ہے۔یہاں تک کہ بندوں کے اعمال وافعال کا بھی وہی خالق ہے۔

معتزلہ کا کہنا ہے کہ افعال عباد کا خالق بندہ کو نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خدا کو معاذ اللہ! خدا کو قائم، قاعد، آکل، شارب، زانی، سارق وغیرہ اوصاف کے ساتھ متصف کرنا صحیح ہو جائے۔ حالاں کہ پروردگار عالم ان اوصاف سے مُنزّہ ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ "شرح عقائد نسفی" میں پہلے معتزلہ کے اس استدلال کو پیش کرتے ہیں:

وقد يتمسك بانه لو كان خالقا لافعال العباد لكان هو القائم والقاعد والآكل و الشارب والزاني والسارق إلىٰ غير ذالك.

معتزلہ اپنے مذہب پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی کو افعال عباد کا خالق مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خدا کو قائم، قاعد، آکل، شارب، زانی، سارق وغیرہ بھی مانا جائے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے ان کی دلیل کا یہ جواب دیا ہے:

وهذا جهل عظيم لانه المتصف بالشيء من قام به ذلك الشيء لا من اوجده اولا يرون ان الله تعالىٰ هُوَ الخالق للسواد والبياض و سائر الصفات في الاجسام ولايتصف بذلك.(١)

(١)....شرح عقائد نسفي،علامه سعد الدين تفتازاني،ص: ٦٢.

یہ معتزلہ کی بہت بڑی جہالت ہے۔ اس لیے کہ کسی وصف کے ساتھ متّصف وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ وصف قائم ہو، نہ کہ وہ جو اس کا موجد ہو۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ سواد اور بیاض اور دیگر جسمانی اوصاف کا خالق ہے مگر وہ اس سے متّصف نہیں۔

اللہ تعالیٰ علامہ تفتازانی پر رحمت وکرم کی بارش نازل فرمائے کہ صدیوں پہلے انھوں نے اس مسئلہ کی وضاحت فرماکر اہل باطل کی جہالت کا پردہ چاک کر دیا۔ اور یہ واضح فرمادیا کہ مؤلف رزم حق و باطل کا مذہبی رشتہ کس فرقہ اور جماعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

وہی دلیل جو معتزلہ نے صدیوں پہلے بندہ کے خالق افعال ہونے کے سلسلہ میں دی تھی، مؤلف رزم حق و باطل نے بھی اس جگہ اسی کو پیش کیا، جس کو حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "جہل عظیم" قرار دیا۔ اور یہ فرمایا کہ کسی چیز کا پیدا کرنا اور ہے، اور اس کے ساتھ متّصف ہونا اور اللہ سرخ وسیاہ رنگ کا خالق ہے، مگر خود سرخ وسیاہ رنگ کے اتصاف سے منزّہ ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کو اسود اور احمر کہنا درست ہو جائے معلوم ہوا کہ کسی فعل اور وصف کا خلق ہرگز اس امر کو مستلزم نہیں کہ اس کا خالق اس کے ساتھ متّصف ہو۔

پھر ایک دوسری جگہ مؤلف رزم حق و باطل نے اپنی اسی علمی بے مائیگی کا ثبوت دیا ہے اور قدرت علی الخلق اور قدرت علی الکسب کے درمیان فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔

> انبیا جس خاص مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ تھا خلق خدا کو ہدایت کرنا، اس مشن کے تحت انبیاے کرام تو یہ کام کرتے تھے کہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے، اور حق بات سناتے تھے۔ لیکن انھیں یہ قوت واختیار نہیں تھا

کہ جس کے دل میں چاہیں یہ ہدایت اتار دیں ۔ حالاں کہ اگر انھیں فوق الفطری قوت و اختیار دیئے جاتے تو سب سے پہلے اس مشن کے سلسلہ میں دیئے جاتے، جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے۔

مگر خدا کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [قصص:٥٦]

بے شک یہ نہیں کہ تم جسے چاہو ہدایت کرو، ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔

یہ معلوم ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے ایمان لائے بغیر وفات پا جانے پر اتری۔ اگر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل ہوتا تو کسی قیمت پر ابوطالب کو کفر پر مرنے نہ دیتے۔[1]

جب کہ ہم نے پچھلے اوراق میں اس قسم کے سارے اعتراض کی بنیاد ہی ختم کر کے رکھ دی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام اپنی خداداد فوق الفطری قوت و اختیار کو بروے کار لانے میں ارادۂ الٰہی، اور مشیتِ خداوندی کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کو خداداد فوق الفطری قوت و اختیار حاصل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ مشیت الٰہی کے خلاف جس کام کو چاہیں کر ڈالیں ۔ پھر جہاں تک ہدایت اتارنے کی بات ہے تو اس کا تعلق قدرت علی الخلق سے ہے نہ کہ قدرت علی الکسب سے، لہٰذا یہ اعتراض سرے سے ہی باطل ہے۔ کیون کہ ہم اس کے مدعی ہی نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں یہ استدلال کچھ عجیب سا بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگر اختیار ہوتا

(1)....رزم حق و باطل، ص: ٦٢.

توکسی قیمت پر ابوطالب کو کفر پر مرنے نہیں دیتے۔ اس لیے کہ پھر مؤلف رزم حق وباطل کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ خداوند قدوس نے قوم ثمود کی ہدایت فرمائی مگر اس کے باوجود وہ ہدایت پذیر نہیں ہوئی **جیساکہ قرآن شاہد ہے:**

﴿وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ [فصلت:۱۷]

اور رہے ثمود تو انھیں ہم نے ہدایت کی تو انھوں نے ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا۔

کیا مؤلفِ رزم حق وباطل اس سے معاذ اللہ خدا کی بے اختیاری کے قائل ہوں گے۔ اور یہ استدلال کرنے کی جسارت کریں گے کہ اگر خدا کو اختیار ہوتا تو کسی قیمت پر قومِ ثمود کو گمراہ ہونے اور کفر پر مرنے نہیں دیتا۔

ایک بے ہودہ اعتراض اور اس کا جواب

اہل باطل کا یہ عام اور قدیم دستور رہا ہے کہ سیدھے سادے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے طرح طرح کے بے ہودہ سطحی اور لچر اعتراضات کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اگر مختارِ کل ہوتے، اور تصرف فی الکائنات کی ان کو قدرت ہوتی تو فلاں موقع پر جب دشمنوں نے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں تو حضور ﷺ نے اپنی خداداد فوق الفطری قوت کا استعمال کیوں نہیں کیا؟

چناں چہ ایک جگہ مؤلف رزم حق وباطل نے بھی اپنی جماعت کے اس قدیم دستور کے مطابق یہ اعتراض کیا ہے۔

لکھتے ہیں:

حضور ﷺ غزوۂ اُحد میں زخمی ہوئے تو آپ کی زبان سے یہ نکل

گیا۔ کیف یفلح قومٌ شجّوا نبیّھم صلی اللہ علیہ وسلم وکسروا رباعیتہ۔ وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا۔ اور اس کا اگلا دانت توڑ دیا۔ حالاں کہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔ ﴿ لَیۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ﴾ [آل عمران:۱۲۸] آپ کو کوئی اختیار نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو فوق الفطری طاقت عطا کی گئی تھی تو آپ کفار کے ہاتھوں زخمی کیسے ہو گئے۔ اور اگر آپ نے قوت رکھتے ہوئے قصداً اس کا استعمال نہیں کیا تو آپ نے ایسے جذبات کا اظہار کیوں کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل کی۔ اگر حضور کو فوق الفطری قوت و اختیار تھا تو آپ کی تائید کے لیے جنگ بدر میں فرشتے کیوں اتارے گئے۔ اور واقعۂ طائف کے سلسلے میں فرشتے کی تائید کی پیشکش کیوں کی گئی؟ ـــــ کیا آپ فوق الفطری قوت رکھتے ہوئے بھی کفار و مشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (۱)

جن کی نظر کتاب کے پچھلے صفحات پر ہوگی، جہاں ہم نے قدرت علی الخلق اور قدرت علی الکسب اور ارادۂ الٰہی اور ارادۂ عبد کے دریان فرق کو واضح کیا ہے وہ اچھی طرح مؤلف رزم حق وباطل کے ان اعتراضات کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں، مگر ہم اس سے ہٹ کر مناسب یہ سمجھتے ہیں کہ اس اعتراض کا ایک ایسا جواب اس جگہ پیش کر دیں جس کے بعد پھر مؤلفِ رزم حق وباطل کے لیے مجالِ سخن نہ رہے۔ اور اس کتاب کے قارئین کو معلوم ہو جائے کہ ان کے عمل بالحدیث کا دعویٰ اپنے اندر کس قدر صداقت رکھتا ہے۔

(۱)....رزم حق و باطل، ص: ۷۷.

مشکاۃ شریف میں بحوالہ بخاری ومسلم یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دن آپ سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! جنگ اُحد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا تھا؟۔ آپ نے فرمایا وہ دن جب میں نے (طائف کے سردار) عبدیالیل کے سامنے اپنی دعوت کو پیش کیا تھا، اور اس نے اس سے انکار کیا تھا۔ میں مغموم واپس آرہا تھا اچانک ایک بادل نے مجھے ڈھانک لیا۔ پھر میں نے نظر کی اور اچانک میری نظر جبرئیل امین پر پڑی توانھوں نے مجھ کو آواز دی۔ اور کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات سنی، اور اس کا جواب سُنا، اور آپ کی خدمت میں ملکِ جبال (فرشتۂ جبال) کو بھیج دیا ہے کہ آپ جو حکم فرمائیں گے وہ آپ کا حکم بجالائیں گے۔ حضور فرماتے ہیں کہ اتنے میں ملکِ جبال نے مجھ کو پکارا، اور سلام کیا۔ پھر کہا:

يا محمد ان الله قد سمع قول قومك وانا ملك الجبال وقد بعثني ربك اليك لتامرني بأمرك ان شئت ان اطبق عليهم الأخشبين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بل ارجوا ان يخرج الله من اصلابهم من يعبد الله وحده ولايشرك به شيئاً[1]

اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات سُنی اور میں ملک الجبال ہوں مجھ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ مجھ کو حکم فرمائیے اگر آپ کا حکم ہو تو میں آپ کی اس قوم پر اخشبین پہاڑی کو الٹ دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی نسل سے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے جو اللہ وحدہٗ کی عبادت کرے اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائے۔

(۱)....مشكاة المصابيح، باب بدء الوحي، ص: ۵۲۳.

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "مدارج النبوہ" میں حدیث مذکور کو پیش کرنے کے بعد ایک اور روایت اسی انداز کی نقل فرماتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:

نیز روایتے است کہ جبرئیل علیہ السلام گفت مر پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم کہ خدائے تعالیٰ امر کردہ است آسمان و زمین و کوہہا را کہ اطاعت کنند او ہرچہ فرمائی آں کنند و ہلاک کنند دشمنان را فرمود دوست دارم کہ صبر کنم و تاخیر کنم از امت و عذاب را شاید کہ کنند حق تعالیٰ ایشاں را و رجوع رحمت کند بر ایشاں۔[1]

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ خدائے تعالیٰ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کو حکم فرمادیا ہے کہ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور آپ جو حکم دیں اس کو وہ بجالائیں اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کردیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی امت کی ایذا پر صبر کروں اور عذاب دینے میں تاخیر کروں ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اس پر مہربانی فرمائے اور ان کی توبہ قبول کرے۔

اِن دونوں روایتوں سے واضح ہوا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا اپنی ... کی ایذا رسانی پر انتقام نہ لینا۔ اور اپنی خداداد فوق الفطری قوت و اختیار کو استعمال نہ ... کچھ حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر تھا۔ نہ یہ کہ وہ معاذ اللہ مجبور و بے بس تھے۔ ... دشمنوں کی ایذا رسانی پر زبانِ اقدس سے اس کلمہ کا نکلنا۔ "کیف یفلح قوم

[1] ..... مدارج النبوۃ، ۱/ ۵۳.

شجّوا نبیّهم" (یعنی وہ قوم کیوں کر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا) تو یہ اس قوم کی ہدایت پذیری سے مایوسی ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا۔ ورنہ اگر آپ چاہتے تو آن کی آن میں اس قوم کو زیر وزبر کر سکتے تھے۔ کیوں کہ جب آپ کوہِ اُحد اور کوہِ ثبیر کے زلزلہ کو اپنی ایک ٹھوکر سے روک سکتے ہیں، اور زمین و آسمان، اور پہاڑ اور ملک جبال آپ کے زیر حکم اور وزیر فرمان تھا تو کیا آپ اس قوم کا سر نہیں کچل سکتے تھے؟ ضرور کچل سکتے تھے۔ مگر حضور نے اس لیے نہیں کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی نسل سے خدا کے ایسے بندے پیدا ہوں جو خدا کی توحید کے پرستار ہوں۔ یا خود یہ قوم آئندہ اپنی سرکشی سے باز آجائے اور خدا کا کلمہ پڑھ لے۔

اور واقعۂ طائف میں فرشتہ کی تائید کی پیش کش اس لیے تھی کہ اس سے حضور کی عظمت شان اور خلق عظیم کا اظہار ہو۔ اور وہ یوں کہ قوم کی جانب سے ایسی سخت اذیتیں پہنچنے کے باوجود جب کہ ملک جبال بھی بحکمِ الٰہی حاضر خدمت ہے اور اس قوم کو تباہ و برباد کرنے کے اذن کا خواست گار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ رحمت کی بنا پر عفو در گزر فرما دیا۔ لہٰذا یہ واقعہ تو حضور کے خلق عظیم کی روشن دلیل ہے۔ مگر افسوس کہ کور باطن کو ہر جگہ تنقیص ہی کا پہلو نظر آتا ہے۔

رہا زبان اقدس سے کلمہ مذکورہ کے نکلنے پر قرآن کریم کا آپ سے یہ فرمانا ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ [آل عمران:۱۲۸] ہرگز اس امر کی دلیل نہیں کہ آپ اپنی قوم کے بالمقابل بے بس اور مجبور تھے۔ ورنہ قرآن کی اس آیت کا کیا جواب ہو گا، جو سورہ صافات میں مذکور ہے۔

﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ [الصافات:۱۷۱-۱۷۳]

اور ہماری بات اپنے پیغمبروں کے متعلق پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ ان کے

لیے مدد اور نصرت ہے۔ اور بے شک ہمارے لشکر کو غلبہ رہے گا۔

لہذا آیت ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ [آل عمران:۱۲۸] کا وہ مطلب ہرگز درست نہیں جس کو مؤلفِ رزم حق و باطل نے پیش کیا ہے کہ آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے جسے حاشیۂ بخاری میں محشی نے علامہ عینی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

وان المعنى قوله: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ هو معنى قوله ليس عليك هداهم ولكن الله يهدي من يشآء.[1]

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول! آپ کے ذمہ اپنی قوم کے دلوں میں ہدایت اتارنا نہیں ہے بلکہ یہ کام اللہ کا ہے کہ وہ جسے چاہے راہِ راست پر لے آئے۔

یعنی دلوں میں ہدایت کا اتارنا یہ کام آپ کا نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا تعلق قدرت علی الکسب سے نہیں، بلکہ قدرت علی الخلق سے ہے۔ نیز چوں کہ ابھی میرا ارادۂ تامہ ان کی ہدایت سے متعلق نہیں ہے۔ لہذا آپ ان کی ہدایت سے محرومی پر ملول خاطر نہ ہوں۔ پس آیت: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ سے یہ استدلال کرنا کہ معاذ اللہ رسول کریم ﷺ کو کوئی اختیار نہیں تھا، قطعاً درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہم پہلے اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ ارادۂ عبد کے تحت کسی امر کا ظہور وجود میں آنا اسی وقت ہوگا جب کہ ارادۂ عبد کے ساتھ ارادۂ خدا بھی متعلق ہو۔

لہذا ارادۂ عبد کے نتیجہ میں مراد کا وجود میں نہ آنا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ بندہ بے اختیار ہے، بلکہ کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک کام پر

(1)....بخاري شريف، ١/ ١٩١، حاشيه نمبر:٦.

قدرت کے باوجود بھی اس پر اپنی قدرت و اختیار کا استعمال نہیں فرمایا ہے۔

چناں چہ ایک دفعہ کسی غزوہ میں ایک مہاجر نے کسی انصاری کو مار دیا تو اس انصاری نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اس مہاجر سے بدلہ لینے کے لیے پکارا، تو اس مہاجر نے بھی اپنے دفاع کے لیے اپنے مہاجر ساتھیوں کو پکارا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، کہ یہ کیا زمانۂ جاہلیت کی باتیں ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ایک مہاجر نے کسی انصاری کو مار دیا ہے تو اس انصاری نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اس مہاجر سے بدلہ لینے کے لیے پکارا ہے، اس لیے یہ صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔ تو حضور نے فرمایا۔ چھوڑو اس قسم کی باتوں کو کہ یہ بہت بری ہے اس پر عبداللہ بن اُبیّ (منافق) نے کہا۔ خدا کی قسم! جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو اہلِ مدینہ کا باعزت (یعنی میں) ذلیل تر (یعنی حضور ﷺ) کو مدینہ سے نکال چھوڑیں گے۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑادوں، تو حضور نے فرمایا:

دَعْه كيلا يتحدث الناس ان محمدا يقتل اصحابه.[1]

چھوڑ دو اسے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد تو اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کرتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ حضور ﷺ قدرت و اختیار کے باوجود بھی بعض موقعوں پر کسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر اس کا استعمال نہیں فرماتے تھے۔

چناں چہ اس حدیث کے تحت علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:

"فيه ترك بعض الامور المختارة" یعنی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ بعض اختیاری امر کو کبھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا وہ تمام

(1)....مسلم شریف، ۱/ ۳۲۱.

واقعات و روایات جن سے اہل باطل حضور ﷺ کی بے اختیاری ثابت کرتے ہیں وہ نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ احتمال ان میں بہر حال ہے کہ حضور ﷺ نے کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر اپنی قدرت و اختیار کا وہاں استعمال نہ فرمایا۔

شان رسالت میں گستاخی

جب علمائے اہل سنت نے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی خدا داد عظمت اور ان کی قدرت و اختیار پر من جملہ دلائل کے ایک دلیل یہ دی تھی کہ گہوارہ میں حضرت عیسی علیہ السلام نے لوگوں سے کلام فرمایا تھا۔ جب کہ عام بچے اس حالت میں لوگوں سے کلام کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ لہذا یہ ان کی خدا داد فوق الفطری قوت و اختیار کی دلیل ہے۔ تو اس سلسلہ میں مؤلف رزم حق و باطل نے حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ السلام کی شان رسالت میں یہ گستاخی کی۔

بولنا انسان کا فطری خاصہ ہے۔ محض چند ماہ پہلے عطا کر دیئے جانے سے وہ فوق الفطری کیسے ہو گیا؟ اور اگر بالفرض فوق الفطری تسلیم کر بھی لیا جائے تو آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ ان کی گفتگو ریڈیو کی طرح غیر اختیاری نہیں تھی۔ (1)

دیکھیے یہ آخری فقرہ کتنا خطرناک اور گستاخانہ ہے۔ کیا کوئی مسلمان زبان سے ایسی بات نکالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کیا اس میں حضرت عیسی علیہ السلام کی شان عظمت میں گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے؟ پھر یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ

(1)....حاشیہ رزم حق و باطل، ص: ۹۵.

قرآن عظیم نے تو گہوارہ میں حضرت عیسی علیہ السلام کے کلام فرمانے کو ان کی فضیلت وعظمت کے طور پر بیان فرمایا ہے جیسا کہ آیا ہے: ﴿ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ﴾ [آل عمران: ٤٦] یعنی حضرت عیسی لوگوں سے گہوارہ اور بڑھاپے میں کلام فرمائیں گے۔

جن سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ گہوارہ میں ان کا کلام فرمانا قصد و شعور کے تحت تھا۔ کیوں کہ جب کسی کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ فلاں شخص لوگوں سے کلام کرتا ہے، یا کلام کرے گا تو اس کے یہی معنی ذہن میں آئیں گے کہ اس کا کلام کرنا قصد و شعور کے تحت ہے۔ بخلاف ریڈیو کے کہ اس سے اگرچہ کلام مسموع ہوتا ہے، مگر اس کے بارے میں یہ ہرگز نہیں کہا جائے گا کہ ریڈیو لوگوں سے کلام کرتا ہے، یا کلام کرے گا۔ کیوں کہ جہاں تک کسی سے کلام کرنے کی بات ہے تو اس میں کلام کرنے والے کے لیے قصد و شعور کا ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

لہذا جب قرآن نے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ لوگوں سے گہوارہ میں کلام فرمائیں گے۔ تو خود قرآن کے یہ کلمات اس بات پر مضبوط دلیل ہیں کہ ان کا کلام کرنا قصد و اختیار، اور شعور و آگہی کے تحت ہے۔ مگر افسوس مولف رزم حق و باطل کو یہ سمجھ کہاں نصیب، ان کے نصیبہ میں تو بس تنقیص نبوت کا جذبہ ہے کہ جہاں دیکھو حضرات انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی فضیلت وعظمت ہی کے گھٹانے کا سودا سر پر مسلط ہے۔

مزید برآں علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَیْ یُکَلِّمُھُمْ حَالَ کَوْنِہٖ طفلاً وّ کَھْلاً کلام الانبیاء من غیر تفاوتٍ.

یعنی حضرت عیسی لوگوں سے گہوارے اور بڑھاپے میں پیغمبرانہ شان کا کلام

فرمائیں گے بلا کسی تفاوت اور فرق کے۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ میں کلام فرمانا اسی طرح پیغمبرانہ انداز کا ہوگا، جس طرح بڑھاپے میں پیغمبرانہ انداز کا کلام فرمائیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ جس طرح بڑھاپے میں آپ کا کلام فرمانا ریڈیو کی طرح نہیں ہے، اسی طرح گہوارے میں بھی آپ کا کلام فرمانا ریڈیو کی طرح نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بے پدر پر لوگوں نے حضرت مریم سے کہا، کہ اے مریم! تو نے یہ کیا کیا؟ تمھارے والدین تو زنا کار نہیں تھے تو اس وقت حضرت مریم چوں کہ صومِ سکوت (خاموشی کے روزہ) کی حالت میں تھیں، اس لیے اشارۃً یہ جواب دیا کہ اس کی حقیقت عیسیٰ سے معلوم کرو، جو ابھی گہوارہ میں ہیں۔ وہ تم لوگوں کو حقیقت حال کی جانب رہنمائی کر دیں گے، تو قرآن کریم میں ہے کہ ان لوگوں نے یہ کہا:

﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝﴾ [مریم: ۲۹]

ہم اس سے کیا بات کریں جو ابھی گہوارہ میں بچہ ہے۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے برجستہ یہ فرمایا:

﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ [مریم: ۳۰، ۳۱]

عیسیٰ نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھ کو لوگوں کے حق میں نفع بخش بنایا ہے جہاں کہیں میں رہوں۔

قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ ذرا اس واقعہ کے سیاق و سباق کو ملاحظہ فرمائیں۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں سے یہ کلام فرمانا ریڈیو کی طرح غیر اختیاری نہیں تھا۔ بلکہ بعض مفسرین نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپنے ہی میں نبوت اور کمال عقل سے سرفراز فرما دیا تھا۔

چناں چہ آیت مذکورہ کے تحت علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

وقیل اکمل اللہ عقله واستنباه طفلاً.[1]

اور بعض علما نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپنے ہی میں عقل اور نبوت سے سرفراز فرمادیا تھا۔

کیوں کہ یہ جو بعض مفسرین نے کہا ہے تو اس لیے کہ قرآن نے حضرت عیسی علیہ السلام کے اس کلام کو جس کو انھوں نے بچپنے میں لوگوں سے کیا ہے ــ بصیغۂ ماضی تعبیر فرمایا ہے، جس کا ظاہر اور متبادر پہلو یہ ہے کہ گہوارہ میں کلام کرتے وقت حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتاب و نبوت سے سرفراز فرمادیا تھا بہر حال گہوارہ میں حضرت عیسی علیہ السلام کے کلام فرمانے کو ریڈیو کی طرح غیر اختیاری ثابت کرنے کی مذموم کوشش اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق مؤلف "رزم حق و باطل" کے دل میں مؤمنانہ جذبہ و عقیدت نہیں ہے، ورنہ ہرگز یہ گستاخانہ انداز وہ اختیار نہ کرتے ۔ مؤلف "رزم حق و باطل" کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

(1)....تفسیر بیضاوی .

﴿سوال نامہ﴾

مخدومنا المکرم! ——————— دام ظلّہ العالی!

السلام علیکم ——— امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

فی الوقت میرے لیے جو مسائل ہمالیائی حیثیت رکھتے ہیں وہ مسئلہ تصرّف اور مسئلہ تکفیر ہیں، مسئلہ تکفیر تو اس لیے اہم ہے کہ دینی اعتبار سے اس کے خطرات بے شمار ہیں اور دائرہ اسلام محدود ہوکر اتنی قلیل آبادی میں محصور ہوجاتا ہے کہ اس کی مردم شماری فرد واحد بھی بآسانی کرسکتا ہے۔ مسئلہ تصرف بھی اپنی جگہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور میرے کم فہم خیال میں مسلکِ بریلویت اور مسلک دیوبندیت کے مابین نزاع کی بنیاد بہت حد تک مسئلہ تصرف ہی ہے۔ اگرچہ مسئلہ تصرف کے سلسلے میں ارشد القادری صاحب نے اپنی تصنیف ''زلزلہ'' میں دیوبندی علما کی تضاد پسندی کو واشگاف کیا ہے۔ لیکن اس تصنیف میں ارشد صاحب نے محض الزامی پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے جس سے قاری کو مسلک دیوبندیت سے بدظنی تو پیدا ہوسکتی ہے (جیساکہ عامر عثمانی کو ہوئی) لیکن مسلکِ بریلویت کی بابت اطمینان کلی نہیں ہوسکتا ہے۔ مسئلہ تصرف کے سلسلے میں فقہا اور زیادہ تر صوفیہ کے اقوال ملتے ہیں، لیکن میری خواہش ہے کہ مسئلہ تصرف کو'' ادلۂ اربعہ شرعیہ کی روشنی میں ثابت کریں تاکہ انشراح صدر ہوسکے۔ اس سلسلہ میں آپ انھیں احادیث کو پیش نظر رکھیں جو درجۂ صحت تک

پہنچتی ہوں۔ اور ان بعید تاویلات سے اغماض کریں جو توحیدی مزاج کے متضاد ہوں مجھے یاد ہے کہ آپ نے آیت قرآنی ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ [النازعات: ٥] سے تصرف اولیا کا اثبات کیا تھا۔ لیکن اس استدلال میں ہنوز کلام ہے۔ فی الوقت "جلالین" پیش نظر ہے۔ اس آیت کے تحت حاشیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ [النازعات: ٥]— قال في روح البيان ثم ان النفوس الشريفة لايبعدان يظهر منها آثار في هذا العالم سواءٌ كانت مفارقة عن الابدان اولا. فتكون مدبرات اَلَا ترىٰ ان الانسان قديرىٰ في المنام ان بعض الاموات يرشده الىٰ مطلوبه و يرى استاذه فيسأله عن مسئلة فيحلها له ونظائره كثيرة لا تحصىٰ قد يدخل بعض الاحياءٰ من جدار و نحوه على بعض له حاجة فيقضيها وذلك علىٰ خرق العادة فإذا كان التدبير بيد الروح وهو في هذا الموطن فكذا اذا انتقل منه الى البرزخ بل هل بعد مفارقة البدم اشد تاثيراً لأن الجسد حجاب والجملة الاترىٰ ان الشمس اشدُّ احراقًا إذا لم يحجبها غيام أو نحوه.

اب اس حاشیہ کے پیش نظر حسب ذیل اشکالات ملاحظہ فرمائیں:

(ا)- اس آیت کے سیاق وسباق کے پیش نظر ﴿مُدَبِّرات﴾ کا فاعل ملائکہ ہیں جیساکہ "جلالین" کے متن میں درج ہے۔ پھر نفوس قدسیہ کو اس آیت کی روشنی میں صاحب تدبیر قرار دینا کم ازکم اس آیت کے متبادر مفہوم سے انحراف کے

مترادف ہوگا۔ اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے دوران گفتگو اصل بات سے کوئی ضمنی بات پیدا ہوجائے۔ اور سامع اس ضمنی اور ذیلی بات کو ہی اصل موضوع سمجھ بیٹھے پھر اس قدر اہم مسئلہ میں ایک ذیلی تفسیر سے استدلال کرنا قرینِ انصاف نہیں ہوگا۔

(۲)۔﴿مُدَبِّرٰتِ﴾ میں نفوس قدسیہ کو شامل کرنا صوفیانہ تفسیر ہے، جس طرح بعض صوفیہ نے قرآنی آیات میں حضرت موسیٰ سے مراد "نفسِ مطمئنہ" کو لیا ہے۔ اور فرعون سے "نفس امّارہ" مراد لیا ہے۔

پھر فرعون پر حضرت موسیٰ کی فتح کو نفس امارہ پر نفس مطمئنہ کی فتح بتائی ہے مجھے صوفیانہ تفسیر سے اختلاف نہیں ہے، بشرطے کہ آیات قرآنیہ کے مورد اصل سے انحراف نہ کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ اس عالم رنگ و بو میں موسیٰ علیہ السلام کے نام کا کوئی نبی تھا ہی نہیں۔ اور فرعون کا وجود ہی نہ تھا، بلکہ موسیٰ تو نام ہے محض نفسِ مطمئنہ کا، اور فرعون کہتے ہیں نفس امارہ کو، تو یقیناً اس طرح کے سرپھرے کی بات ناقابل قبول ہوگی۔ پھر یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر کوئی شخص موسیٰ سے نفس مطمئنہ کو مراد نہ لے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجود اصلی کا انکار کردے تو آپ اس کے خلاف فتویٰ دے سکتے ہیں۔ میرے خیال میں آیت زیر بحث میں بھی معاملہ کچھ اسی طرح کا ہے۔

(۳)۔حاشیہ سے یہ مراد ظاہر ہے کہ اولیا کا تصرف بطور خرقِ عادت ہوتا ہے، پھر خرق عادت کے لیے استمرار ضروری ہے یا نہیں؟ اول الذکر صورت میں یہ عالم اسباب بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ اور اگر خرقِ عادت میں استمرار دوام نہیں ہے تو پھر تصرف اولیا پر قانع ہوکر کوچہ بہ کوچہ صدائے المدد بلند کرنے سے کیا محتاج کی امداد یقینی ہے؟

(۴)-تصرف اولیا کے قائلین کے مطابق تصرف کے مجاز صرف نفوسِ قدسیہ ہیں۔اور قدسیت کا دارومدار خاتمہ بالخیر پر ہے۔ تو پھر کیا اس غیر یقینی صورت حال میں صاحبِ قبر سے طالبِ امداد ہونا صحیح ہوگا؟

(۵)-اگر اولیا اللہ صاحبِ تدبیر ہیں تو پھر ملائکہ بھی تو صاحبِ تدبیر ہیں جن کے صاحبِ تدبیر ہونے پر نَصِّ صریح دال ہے۔ تو آخر فرشتوں کو صدائے المدد کیوں نہ دی جائے؟

(۶)-اگر اولیا کا صاحبِ تصرف ہونا نص سے ثابت ہے تو آخر وہ نص کی قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟

(۷)-اولیا کے تصرف اور انبیا کی قوت تصرف میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر حضور ﷺ کے علاوہ دیگر انبیا کو تصرف کے لیے کیوں پکارا جاتا؟

(۸)-کیا حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں کسی صحابہ نے وفات یافتہ بزرگوں سے مدد طلب کی ہے۔

(۹)-ائمہ مجتہدین میں سے کوئی تصرف اولیا کا قائل ہے یا نہیں؟

(۱۰)-علما کی تصریحات میں "شرک کا شائبہ" ایک اصطلاح کا حکم رکھتا ہے یہ شائبہ شرک کی ماہیت میں داخل نہیں ہے۔ پھر بھی اس سے اجتناب کا حکم دیا جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ اس شائبہ سے کیا مراد ہے؟ کیا مسئلہ تصرف شائبہ کے قبیل سے نہ ہوگا۔ جب کہ ہمارے یہاں اہل ہنود بھی غیر اللہ کو صدا دیتے ہیں ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ اہل ہنود ذاتِ الٰہی کو عالم بالجزئیات نہیں مانتے ہیں۔ لیکن اہل اسلام ذات باری کو عالم بالجزئیات مانتے ہوئے بھی صالحین کو ندا دیتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کا عمل شائبہ شرک سے پاک ہے۔ لیکن میرے خیال سے یہ ندا شرک سے تو پاک

ہو سکتی ہے لیکن شائبہ شرک کا احتمال ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح کا باریک فرق اس دور جہالت میں جب کہ کفار کی مجاورت کی وجہ سے مسلمانوں میں ہندوانہ تہذیب معاشرے کے اندر در آئی ہیں۔ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔

(۱۱)۔ایک اور امر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اصولِ معتقدات اور فروع معتقدات کے مابین کیا فرق ہے۔ اور فروع معتقدات کے منکر کے خلاف علما کیا فتوی صادر فرماتے ہیں۔ نیز مسئلہ تصرف کا تعلق معتقدات کے کس قبیل سے ہے اور کیسے؟

یہ وہ شبہات تھے جو میں نے آں جناب کی خدمت میں پیش کر دیے ہیں فی الوقت میرے پاس اس موضوع پر کتابیں دستیاب نہیں ہیں کہ میں تقابلی مطالعہ کے ذریعہ کسی حتمی نتیجے تک پہنچ سکوں۔

اس سوال نامہ سے مناظرانہ روِش کا اظہار مقصود نہیں ہے، مجھے مروّجہ مناظرہ سے ایک گونہ نفرت ہی ہے۔ کیوں کہ اس مناظرہ سے افہام و تفہیم کے بجائے فریق مخالف کو کسی بھی طرح زک دینا مقصود ہوتا ہے۔ ایک ایسا شخص مناظرہ کر بھی کیسے سکتا ہے جس کے سامنے بے شمار شبہات منہ پھاڑے کھڑے ہوں۔ اور اس کی علمی بے بضاعتی کا تمسخر کر رہے ہوں۔ امید ہے کہ میری اس تحریر کا تیکھا پن آپ کے لیے باعث تکدر ثابت نہ ہو گا۔

اہل ہم تو اہل جفا کے شکوۂ تلخ کو بھی سہار لیتے ہیں چہ جائے کہ یہ ایک مخلص کی پر خلوص التجا ہے جو آپ کی التفات فراواں کا حد درجہ مستحق ہے۔ فقط

فخر الحسن

تِبیا، چمپارن، بہار

﴿جواب نامہ﴾

محبّ گرامی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کافی دن ہوئے آپ کا سوال نامہ موصول ہوا تھا۔ مگر کثرت کار، اور ہجوم افکار اور ناسازیِ طبع کی بنا پر آپ کے سوال نامہ کی جانب توجہ نہ کر سکا۔ علاوہ ازیں آپ کا اس کا سوال نامہ کافی مبسوط بھی تھا جس کے لیے اطمینان درکار تھا۔ اور وہ اب تک میسر نہیں تھا۔ اس لیے ارسال جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی جس کی معذرت چاہوں گا۔

آپ نے لکھا ہے:

فی الوقت میرے لیے جو مسائل ہمالیائی حیثیت رکھتے ہیں وہ مسئلہ تصرف اور مسئلہ تکفیر ہیں۔ مسئلہ تکفیر تو اس لیے اہم ہے کہ دینی اعتبار سے اس کے خطرات بے شمار ہیں۔ اور دائرہ اسلام محدود ہو کر اتنی قلیل آبادی میں محصور ہو جاتا ہے کہ اس کی مردم شماری فرد واحد بھی بآسانی کر سکتا ہے۔

پھر آپ نے لکھا ہے:

مسئلہ تصرف بھی اپنی جگہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور میرے کم فہم خیال میں مسلکِ بریلویت اور مسلک دیوبندیت کے مابین نزاع کی بنیاد بہت حد تک مسئلہ تصرف ہی ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ علماے دیوبند کی تکفیر کا تعلق مسئلہ تصرف سے نہیں، بلکہ اہانتِ رسول، اور انکار ضروریات دین سے ہے۔

علمائے دیوبند کے پیشواؤں نے جب اپنی اپنی کتابوں میں ایسی ایسی عبارتیں
ریریں جو صریح انکار ضروریاتِ دین اور اہانت حضور سید المرسلین پر مشتمل تھیں۔

ثلاً: مولوی اشرف علی تھانوی کا "حفظ الایمان" میں حضور کے علم غیب کو مجانین
بہائم کے علم غیب کے برابر قرار دینا۔ اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا "براہین
اطعہ" میں ابلیس لعین کے علم کو حضور کے علم سے زیادہ بتانا۔ اور مولوی قاسم
نوتوی کا "تحذیر الناس" میں خاتم النبیین کا ایک ایسا معنی بتانا جس سے حضور کی
اتمیت زمانی کا صریح انکار لازم آتا ہے، تو مجبوراً علمائے حق نے دینی فریضہ کی ادائگی
رتے ہوئے اُن پر حکم کفر جاری فرمایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسئلہ تکفیر دینی اعتبار سے بڑا ہی نازک اور پر خطر
ہے مگر جب کسی کا کفر آفتاب سے زیادہ روشن ہو، اور کھلم کھلا انکار ضروریات دین پر
شتمل ہو تو ایسی صورت میں اس کو مسلمان ہی ماننا، اور حکم کفر جاری نہ کرنا بھی بڑا پر خطر
ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو علمائے دیوبند بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر نہ کرتے۔ اور اس
دعیِ اسلام کو خارج از اسلام قرار نہ دیتے۔

رہا آپ کا کہنا کہ "دائرہ اسلام محدود ہو کر اتنی قلیل آبادی میں الخ" تو یہ کچھ
عجیب سا ہے۔ اس لیے کہ جو اصول و قانون ایک مدعیِ اسلام کو خارج از اسلام قرار
ے۔ اگر وہ قانون سیکڑوں مدعیانِ اسلام پر منطبق ہو تو کیا انھیں خارج از اسلام
نہیں قرار دیا جائے گا؟ یہ کون سا انصاف ہے کہ قادیانی کو تو انکار ضروریاتِ دین کی بنا
کافر و مرتد قرار دیا جائے۔ اور دیوبندیوں کو انکار ضروریات دین کی بنا پر کافر و مرتد نہ
قرار دیا جائے۔

علمائے دیوبند کی تکفیر تو باقاعدہ اتمامِ حجت کے بعد کی گئی ہے۔ علمائے اہل سنت نے ایک زمانہ تک علمائے دیوبند سے ان کی کفری اقوال کی بنا توبہ کا مطالبہ کیا۔ اور کہا کہ اگر آپ توبہ نہیں کرتے اور اپنی ان کفری عبارتوں کو صریح انکار ضروریات دین، اور اہانت حضور سید المرسلین پر مشتمل نہیں مانتے تو کوئی قابلِ قبول تاویل ہی پیش کر دیجیے۔ مگر جب ان میں سے کوئی بات سامنے نہیں آئی تو مجبوراً ان کی تکفیر فرمائی۔ رہا مسئلہ تصرف تو آپ نے آیت کریمہ ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ [النازعات: ۵] سے تصرف اولیا کے استدلال پر جن شبہات کا ذکر فرمایا ہے پہلے ان کے جوابات نمبروار معلوم فرمائیے۔

(۱)-آیت کریمہ ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾[النازعات: ۵] کی تفسیر میں مفسرین کرام نے "مدبرات" کے متعلق متعدّد احتمالات ذکر کیے ہیں، جن میں ایک احتمال یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد نفوس قدسیہ ہیں۔

چناں چہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں:

وتفسیر کردہ است بیضاوی کریمہ ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ [النازعات: ۱]-الآیۃ-را بصفات نفوس قدسیہ فاضلہ در حال مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان ونشاط می کنند بسوئے عالم ملکوت وسیاحت می کنند دراں پس سبقت می کنند بہ حظائر قدس پس می گردند بشرف وقوت از مدبرات۔(1)

(1)....اشعة اللمعات، ۳/ ۴۰۱ .

لہذا آیت کریمہ مذکورہ سے استدلال ایک مستقل تفسیر کی روشنی میں ہے نہ کسی ذیلی وضمنی احتمال کی روشنی میں، اس لیے کہ اس تفسیر میں علامہ بیضاوی نے صرف ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾[النازعات: ۵] کی آیت میں نفوس قدسیہ کو شامل نہیں کیا ہے۔ بلکہ ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ سے لے کر ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ تک کی آیتوں سے نفوس قدسیہ کو مراد لیا ہے۔

(۲)-آیت کریمہ ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ میں نفوس قدسیہ کی شمولیت ایک مسلمہ امر ہے۔ علمائے دیوبند کے پیشوا مولوی اسمعیل دہلوی نے بھی "صراط مستقیم" میں اس سے استدلال کیا ہے۔

چناں چہ وہ لکھتا ہے:

"اکابر ایں فریق در زمرۂ ملائکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر از جانبِ ملاء اعلیٰ شدہ ودر اجزائے آں می کوشند معدود واند"۔(1)

اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے، جو مولوی اسمعیل دہلوی کے دادا ہے، اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں آیت کریمہ ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾[الفجر: ۲۷-۳۰] -الآیۃ- سے اس امر پر استدال فرمایا ہے:

چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

قد استفاض من الشرع ان اللہ عباداً ھم افاضل الملائكة وانهم سفراء بين الله تعالىٰ وبين عباده وانهم

(1)....صراط مستقیم، ص: ۲۸.

يلهمون في قلوب بنى آدم خيراً وان لهم اجتماعات كيف يشاء الله تعالىٰ وحيث شاء الله تعالىٰ يعبرعنهم باعتبار ذلك بالملاء الاعلىٰ وان ارواح افاضل الآدمين دخولا فيهم ولحوقابهم كماقال الله تعالىٰ: ﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴾[الفجر: ٢٧-٣٠] والملاء الاعلىٰ ثلثة اقسام ، قسم هم نفوس انسانية مازالت تعمل اعمالا منجية تفيد اللحوق بهم حتى طرحت عنها جلابيب ابدانها فانسلكت في سلكهم وعدّت منهم. ملخّصاً.

اسی میں اہل برزخ کی چار قسمیں کرکے فرماتے ہیں:

إذا مات انقطعت العلاقات فلحق بالملائكة و صارمنهم والهم كالهامهم وسعىٰ فيما يسعون فيه ربّما اشتغل هٰولاء باعلاء كلمة الله ونصر حزب الله و ربّما كان لهم لُمّة خيرابن اٰدم.

آپ فرماتے ہیں، یہ صوفیانہ تفسیر ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس دلیل سے آپ نے یہ فرمایا؟ آیت کریمہ ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ سے یہ استدلال جسے شاہ صاحب موصوف نے پیش فرمایا ہے کیا یہ صوفیانہ تفسیر ہے۔ جہاں تک میری معلومات کام کررہی ہے کسی معتمد و مستند صوفی نے قرآنی آیات میں جہاں کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد نفس مطمئنہ کو لیا ہو، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجود واقعی سے صاف انکار کیا ہو، ہاں ممکن ہے کہ جہاں قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ آیا ہے، وہاں انھوں نے بطور درس و عبرت اس کی جانب اشارہ فرمایا ہو۔

(۳)-حیات برزخی اور حیات دنیوی کے احوال یکساں نہیں، لہٰذا حیات دنیوی پر حیات برزخی کا قیاس، قیاس شاہد علی الغائب کے قبیل سے ہے۔ اور یہی وہ قیاس فاسد ہے جس کی وجہ سے علمائے دیوبند ورطۂ ظلمات میں پڑ گئے ہیں۔ بکثرت احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ عالم برزخ میں اہل برزخ کے حواس وادراکات، اس دنیوی زندگی کے حواس و ادراکات سے بدر جہازائد ہوا کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ صحابۂ کرام سے اموات کی قوت سامعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: والذي نفس محمد بيده ما انتم باسمع لما أقول منهم. قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم لوگ ان اموات زیادہ میری باتوں کو نہیں سُنتے۔

اور اہل علم کے نزدیک یہ ایک طے شدہ امر ہے، حضرت علامہ جلال الدین سیوطی "زہرالربی" شرح سننِ نسائی میں فرماتے ہیں:

ان للروح شانا اٰخر فتكون في الرفيق الاعلىٰ وهي متصلة بالبدن بحيث إذاسلم المسلم علىٰ صاحبها رد عليه السلام وهي في مكانها هناك(إلىٰ ان قال) وانما يأتي الغلط هٰهُنا من قياس الشاهد على الغائب فيعتقد ان الروح من جنس ما يعهد من الاجسام التي اذاشغلت مكانا لم يمكن ان تكون في غيره وهٰذا غلط محض.

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ انبیا و اولیا کی قوتِ تصرف خواہ فوق الفطری ہو کہ تحت الفطری اس کا دائرہ عمل مشیتِ الٰہی کے تابع ہوا کرتا ہے۔ یعنی جس طرح حیات دنیوی میں کوئی عمل یا تصرف بے خدا کی مشیت کے نہیں ہوتا، اسی طرح عالم برزخ میں بھی کوئی عمل یا تصرف بے خدا کی مشیت کے نہیں ہوتا لہٰذا جس طرح حیات دنیوی میں ان سے خوارق عادات کا صدور عالم اسباب کے تعطل کو مستلزم نہیں، اسی طرح حیات برزخی میں بھی عالم اسباب کے تعطل کو مستلزم نہیں۔ اور استمداد و استعانت کا انحصار امداد یقینی پر، جیسا کہ آپ کا خیال ہے، بالکل غلط ہے، اور ہدایت فطریہ کے

خلاف ہے ــــ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک انسان بوقت حاجت و مصیبت دوسرے سے مدد کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور یہ دوسرا اس کی مدد نہیں کرتا۔ اور ایک انسان بوقت حاجت دوسرے سے سوال کرتا ہے، اور یہ دوسرا اس کے سوال کی جانب التفات نہیں کرتا۔ حد یہ ہے کہ انسان خدا دعا و سوال کرتا ہے مگر اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ تو کیا اس سے آپ دعا و سوال ہی کو سرے سے غلط قرار دیں گے؟

(۴)- ارباب نفوس قدسیہ کے بارے میں اگرچہ کاملِ جزم و یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہے، مگر اس کے یہ معنی کہ ان کے ظاہر احوال کو یک لخت نظر انداز کر دیا جائے۔

مسلم شریف میں ایک روایت حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

مرّ بجنازة فاثنیٰ علیها خیراً فقال نبی الله تعالیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وجبت وجبت ومرّ بجنازة فاثنیٰ علیها شراً فقال نبي الله تعالیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وجبت وجبت وجبت فقال عمر فدا لك ابی امی مرّ بجنازة فاثنیٰ علیها خیراً فقلت وجبت وجبت وجبت ومرّ بجنازة فاثنیٰ علیها شراً فقلت وجبت وجبت وجبت فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من اثنیتم علیه خیراً وجبت له الجنه ومن اثنیتم علیه شراً وجبت له النار انتم شهداء الله في الارض-الحدیث-[1]

(1)....مسلم شریف، ۱/۳۰۸.

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فيه قولان للعلماء احدهما ان هذا الثناء بالخبر لمن اثنىٰ عليه اهل الفضل وكان ثناءهم مطابقاً لافعاله فيكون من اهل الجنة فان لم يكن كذالك فليس هو مرادا بالحديث والثاني وهو الصحيح المختار انه علىٰ عمومه واطلاقه وان كل مسلم مات فالهم الله تعالىٰ الناس او معظمهم الثناء عليه كان ذلك دليلاً علىٰ انه من اهل الجنة سواء كان افعاله تقتضي ذلك أم لا. لانه وان لم تكن افعاله تقتضيه فلاتحتم عليه العقوبة بل هو في خطر المشية فاذا الهم الله عزّوجل الثناء عليه استدلنا بذلك علىٰ انه سبحانه و تعالىٰ قدشاء المغفرة له وبهذا تظهر فائدة الثناء وقوله صلى الله عليه وسلم وجبت وانتم شهداء الله تعالىٰ ولوكان لاينفعه ذلك الا ان تكون اعماله تقتضنيه لم يكن للثناء فائدة وقد اثبت النبي صلى الله عليه وسلم له فائدة .[1]

حدیث مذکور اور اس کی شرح سے واضح ہوا کہ حضراتِ اہلِ فضل جس گزرے ہوئے مومن کے متعلق اچھائی کی گواہی دیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے اور اس کی اچھائی پر استدلال کرنا بھی صحیح اور درست ہے ۔ پھر یہ کہ شریعت اسلامیہ کے احکام وقوانین ظاہری احوال پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور اسی کے اعتبار سے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عمل در

(1)....شرح مسلم للنووي،١/٣٠٨ .

آمد کریں۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے تو ایک مومن کا ظاہر حال اس بات کی دلیل ہے کہ وہ باوضو ہی نماز پڑھ رہا ہے۔ اور نماز کے تمام شرائط وارکان وغیرہ کی بھی رعایت پورے طور پر کررہا ہے۔ اگرچہ اس کے برخلاف بھی ممکن ہے مگر کیا اس امکان واحتمال کی بنا پر کسی کے لیے شرعاً اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا عذر قابلِ قبول ہوگا؟

معلوم ہوا کہ غیر یقینی صورتِ حال کے باوجود ظاہر احوال کو ترجیحی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

(۵)-آپ کا یہ شبہہ کچھ عجیب سا ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا کہ انھوں نے حواریین سے فرمایا: "من انصاری إلی اللہ" تو کیا آپ یہاں بھی یہ سوال کریں گے کہ ملائکہ کا صاحب کا تدبیر ہونا تو امر مسلّم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بجائے فرشتوں کے حواریین سے کیوں مدد طلب فرمائی۔

پتا چلا کہ اگر کوئی کام چند آدمی کر سکتے ہوں تو ضروری نہیں کہ ہر ایک سے کرایا جائے۔ علاوہ ازیں تصرف اولیا کے قائلین نے کب فرشتوں سے طلبِ نصرت کو غلط اور ناجائز قرار دیا ہے کہ آپ نے یہ سوال فرمایا ہے۔

(۶)-اولیا اللہ کا صاحب تصرف ہونا کوئی قیاسی واجتہادی مسئلہ نہیں کہ اس پر قیل وقال کی گنجائش ہو، بلکہ اس کا ثبوت نص قرآنی سے ہے حضرت حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے درباریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو تخت بلقیس کو میرے پاس حاضر کردے تو اس پر ایک خبیث جن نے کہا۔ میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے قبل حاضر کردوں گا۔ اور آصف ابن برخیا نے کہا کہ آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردوں گا۔ چناں چہ انھوں نے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردیا۔ واضح رہے کہ حضرت آصف ابن برخیا اولیا اللہ سے تھے۔ اور انھوں

نے فوق الفطری تصرف فرمایا۔ پھر یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بجائے فرشتوں کے درباریوں سے یہ کام کیوں کرایا، جب کہ فرشتوں کا صاحب تدبیر ہونا ایک واضح سی بات تھی۔

علاوہ ازیں حضرت سلیمان علیہ السلام تو اللہ کے ایک برگزیدہ نبی تھے۔ ان کی قوت درباریوں کی قوت سے بدرجہا زائد تھی انھوں نے خود اپنے تصرف سے تخت بلقیس کو کیوں نہیں حاضر فرمایا؟ اور کیوں اپنے درباریوں سے ایسا چاہا۔

میرے بھائی! اس قسم کے شبہات سے حقائق و واقعات کی صداقت مجروح نہیں ہوا کرتی جس مسئلہ کے قائل اکابر علما و مشائخ ہوں، اور جس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو اس پر ردو قدح کرنا سبیل مؤمنین سے انحراف کے مترادف ہے۔ پھر یہ کہ جب تصرفِ اولیا کے قائلین میں نہ صرف صوفیہ بلکہ فقہا بھی ہیں، جیسا کہ اس کا خود آپ کو بھی اعتراف ہے۔ تو پھر خواہی نخواہی اس میں سر مغزی کرنے سے کیا فائدہ؟

(۷)- اولیا کی قوت تصرف اور انبیا کی قوت تصرف میں زبردست فرق ہے، مگر جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود تصرف نہ فرما کر درباریوں سے تصرف کا مطالبہ فرمایا، باوجود کہ وہ نبی تھے۔ اسی طرح ہم لوگ بجائے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم سے براہِ راست تصرف کے خواہاں ہونے کے اولیائے کرام سے تصرف کے خواہاں ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اولیا اللہ کا تصرف نبی ہی کا صدقہ ہوا کرتا ہے۔

(۸)- **اوّلاً** حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی حیات ظاہری میں صحابۂ کرام کو کسی وفات یافتہ بزرگ سے مدد طلب کرنے کی ضرورت ہی کیا، حضور خود ہی کافی تھے۔

ثانیاً اگر صحابۂ کرام سے کسی کام کا کرنا منقول نہ ہو تو کیا اس کے غلط اور ناجائز ہونے پر استدلال کرنا صحیح ہوگا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں یہ بات "مدارج النّبوۃ" وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ جب کوئی ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو بلا کسی اہتمام کے وہ مسئلہ بیان فرمادیا کرتے تھے۔ مگر جب کوئی ان سے حدیثِ رسول سننے کی خواہش ظاہر کرتا تو اس کے لیے نہایت اہتمام فرماتے غسل کرتے، عمدہ سے عمدہ لباس زیب تن فرماتے، مسند لگواتے، بخور سلگاتے، پھر نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ حدیثِ رسول بیان فرماتے حالاں کہ صحابۂ کرام سے یہ طریقہ منقول نہیں، اسی طرح حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں ہے کہ انھوں نے تالیف بخاری میں ہر حدیث پاک لکھنے سے پہلے آبِ زم زم سے غسل فرماکر حرم شریف میں دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے۔

میں پوچھتا ہوں کیا ان سے پہلے بھی کسی صحابی یا تابعی سے کتابتِ حدیث کے سلسلے میں یہ طریقہ منقول ہے۔ اگر نہیں تو کیا اس بنا پر کہ یہ عمل صحابی سے منقول نہیں، آپ حضرت امام مالک، اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کو معاذ اللہ "مُبتدع" اور مخترع فی الدین قرار دیں گے؟

ویسے صحابۂ کرام سے یہ ضرور منقول ہے کہ اِن حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر اطہر پر حاجت روائی کرائی ہے۔ چناں چہ امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" کی جلد یازدہم میں ایک روایت بسند صحیح نقل فرمائی ہے، جس میں یہ ہے کہ ایک صاحب نے (جن کا نام بلال بن حارث مزنی تھا، اور وہ صحابیِ رسول تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہوکر عرض کی۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ. یعنی اے اللہ کے رسول! اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگیے کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔ عمر کے پاس جاکر اسے سلام پہنچا اور لوگوں کو خبر کردے کہ اب پانی برسنے ہی والا ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کو حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے "قرۃ العینین" میں "کتاب الاستیعاب" سے نقل فرمایا ہے۔ اور حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے "جذب القلوب" میں ابن ابی شیبہ سے، ملاحظہ ہو" مرغوب القلوب ترجمہ جذب القلوب" ص:۲۲۶۔

(۹)- ہم جب قرآن حکیم سے ماسبق میں یہ بیان کر آئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباریوں میں سے ایک دربان نے جس کا نام آصف ابن برخیا تھا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیا، تو کیا یہ تصرف اولیا کے قبیل سے نہیں ہے۔ پھر اس سوال کی ضرورت ہی کیا کیا باقی رہ جاتی ہے۔ اور اگر وفات یافتہ اولیا اللہ سے متعلق آپ کا یہ سوال ہے تو اس کے متعلق اتنا کافی ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس سے استمداد توسل فرمایا ہے۔

جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی قدس سرہٗ "خیرات الحسان" میں فرماتے ہیں:

لم يزل العلماء وذوى الحاجات يزورون قبر الإمام ابي حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه و يتوسلون عنده في قضاء حوائجهم و يرون نجح ذلك ، منهم الامام الشافعي رضى الله عنه فانه جاء عنه انه قال انى لاتبرك بابي. حنيفة واجيء قبره فاذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وجئت الىٰ قبره و سألت الله عنده فتقضى سريعاً.

(۱۰)- مسئلہ تصرف کو شائبہ شرک سے کوئی لگاؤ نہیں، فقہ کی معتبر و مُستند کتاب "کشفُ الغطا" میں ہے:

انکار استمداد را وجہے نمی نماید، مگر آں کہ از اول امر منکر شوند، تعلق روح

وبدن را بالکلیہ وآں خلاف منصوص است، بریں تقدیر زیارت ورفتن بقبور ہمہ لغو وبے معنی گردد وایں امرے دیگر است کہ تمامہ اخبار و آثار دال برخلاف آنست ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجتِ خود را از جناب عزتِ الٰہی بتوسل روحانیات بندۂ مقرب یا نداکنند آں بندہ را کہ اے بندۂ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب مراد ورو بے ہیچ شائبہ شرک نیست چناں چہ منکر دہم کردہ۔ ملتقطاً۔(1)

واضح رہے کہ یہ کتاب ”کشف الغطا“ وہ ہے جس کے مصنف کو مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے ”شیخ الاسلام“ کہا ہے، اور علمائے محدثین سے شمار کیا ہے اور اپنی کتاب ”ماۃ مسائل“ میں ان کی اس کتاب کے بکثرت حوالے دیئے ہیں۔

مزید برآں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”اشعۃ اللمعات“ میں فرماتے ہیں:

لیت شعری چہ می خواہند ایشاں باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آں را آں چہ نامی فہمیم ازاں ایں است کہ داعی دعا کند از خدا و توسل کند بروحانیت ایں بندہ مقرب یا نداکند بندہ مقرب را کہ اے بندۂ خالق و ولی وے شفاعت و مرا بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا، اگر ایں معنی موجب شرک باشد چناں چہ منکر زعم می کند باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از دوستان خدا در حالت حیات نیز وایں مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین وآں چہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل واستفادہ ازاں خارج از حصر است و مذکور است در

(1)…ماخوذ از فتاوی رضویہ، ج: ٤، ص: ٣٠٢.

کتب و رسائل ایشان و مشہور است میان ایشان حاجت نیست کہ آں راذکر کنم و شاید کہ منکرِ متعصب سود نکند اور اکلمات ایشاں عافانا اللہ من ذلك کلام دریں مقام بحدِّ اطناب کشید برزعم منکراں کہ در قرب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و استعانت را از اولیاے خدا و متوجہاں بجنابِ ایشاں را شرک بخدا و عبدۂ اصنام می دانِند و می گویند آنچہ می گویند۔ اھ۔ ملخصًا۔ (1)

اور علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر عزیزی" میں فرماتے ہیں:

وبعضے از خواص اولیا اللہ زا کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند و دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بہ جہت کمال وسعت مدارک آں ہا مانع بایں سمت نمی گردد و اویساں تحصیل کمالات باطنی از آنہا می نمایند و ارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از آں ہا می طلبند و می یابند۔ (2)

حضرت علامہ سید احمد زروق جو اکابر علما و محدثین سے ہیں، اپنے قصیدہ مبارکہ میں فرماتے ہیں:

انا لمریدی جامع تشـــــتاته اذاماسطاجور الزمان بنکبته
وان کنت في ضيق وکرب ووحشة فنادِبيا زَرُّوْق اٰت بسرعــة

یعنی میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیتِ خاطر بخشنے والا ہوں، جب کہ ستم

(1)....اشعة اللمعات، ج:۳، ص:٤٠١، ملخصاً.
(2)....حواله تفسیر عزیزی، پ:۳، ص:۱۱۳.

زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی وزیادتی کرے۔

(لہٰذا اے مُرید) اور اگر تم تنگی وتکلیف اور وحشت میں ہو جاؤ تو یوں ندا کرو،

"یَازَرّوق" تومیں فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔

واضح رہے کہ حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے "بُسْتَانُ المحدّثین" میں ان کے حالات کے تذکروں میں ان کے اِن دونوں شعروں کو بھی نقل فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ نداازقبیل شائبہ شرک ہوتی یہ ہرگز اتنے بڑے محدث اپنے مرید کو اس قسم کی تعلیم نہ فرماتے۔

اب آیئے مسئلہ تصرف کے سلسلے میں مثبت انداز سے مزید کچھ دلائل صحیح احادیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)-عن ابی امامة سهل بن حنيف عن عمهٖ عثمان ابن حنيف رضى الله عنه ان رجلاً كان يختلف الىٰ عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه في حاجة فكان عثمان لايلتفت اليه ولاينظر في حاجتهٖ فلقي ابن حنيف فشكا ذلك اليه فقال له عثمان بن حنيف ايت الميضأة فتوضأ ثم ايت المسجد فصلّ فيه ركعتين ثم قال اللّٰهُمَّ انی اسئلك واتوجه اليك بِنَبِيِّنَا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الىٰ ربي فيقضى حاجتى وتذكر حاجتك و روح حتى اروح معك فانطلق الرجل فصنع ماقال له ثم اتى باب عثمان ابن عفان فجاء البواب حتى اخذ بيدهٖ فادخله الىٰ عثمان بن عفان فاجلسه معه على الطنفسة فقال ماحاجتك فذكر حاجته وقضاها ثم قال له ماذكرت حاجتك

حتی كان الساعة وقال ماكانت لك حاجة فاذكرها ثم ان الرجل خرج من عنده فلقى عثمان ابن حنيف فقال له جزاك الله خيراً ماكان ينظر في حاجتى ولايلتفت إلى حتى كلّمتَه فِي فقال عثمان ابن حنيف والله ماكلمته ولكن شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم واتاه ضرير فشكى اليه ذهاب بصره فقال له النبي صلى الله عليه وسلم اَوْ تصبر فقال يا رسول الله انه ليس لى قائد وقد شق على فقال له النبي صلى الله عليه وسلم ايت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات فقال ابن حنيف فوالله ماتفرقنا حتى دخل علينا الرجل كانه لم يكن به ضرّ قطُّ. نقله العلامة يوسف في شواهد الحق ، ص:٣٠١،عن البيهقي والطبراني.الترغيب للمنذري،ج:١،ص:٤٧٥.

اور حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جذبُ القُلُوب میں اسی روایت سے استدلال فرمایا ہے۔ اس جگہ ہم "مرغوب القلوب" ترجمہ جذب القلوب کی عبارت نقل کررہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنا، اور آپ کو شفیع لانا، آپ کے رحلت فرمانے کے بعد تو اس میں بھی بہت سے آثار وارد ہیں۔ طبرانی معجم کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف سے روایت لاتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی حاجت تھی۔ اور روا (پوری) نہ ہوتی تھی۔ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر التفات اس کی طرف اصلاً نہ تھی وہ شخص ان کے پاس آیا (یعنی حضرت عثمان بن حنیف کے پاس)

اور ان سے اس کی حاجت روا ہونے کی تدبیر پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ تو وضو کر کے مسجد میں جا اور دو رکعت نماز پڑھ اور کہہ:

اللهم انی اسئلك واتوجه اليك بِنَبِيِّنَا محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة يا محمد انی اتوجه بك الىٰ ربى ليقضى حاجتى.

بعد اس کے اپنی حاجت عرض کر اس شخص نے موافق ان کے فرمانے کے غسل کیا۔ اور پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در دولت پر گیا دربان نے آگے بڑھ کر لیا اور بتعظیم و تکریم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور لے گیا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو اپنے فرش خاص پر بیٹھایا۔ اور پوچھا کہ تمھاری کیا حاجت ہے؟ اس نے جو حاجت بیان کی آپ نے روا فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس کے بعد جو حاجت ہوا کرے تو ہمارے پاس آیا کرو ہم فوراً روا کر دیا کریں گے۔ وہ شخص بہت خوش حال ہو کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے اٹھ کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے۔

شاید تم نے کچھ میری حاجت روائی کے باب میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ وہ اس طرح مجھ سے پیش آئے اور اس سے پہلے وہ اصلاً میری طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ میں نے واللہ تمھارے باب میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ نہیں کہا۔ سوا اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنے نابینا ہو جانے کے باب میں آپ سے دعا چاہی اور ساری اس حدیث سابق کو ذکر کیا۔ پس میں نے اس پر قیاس کیا کہ توسل حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موجب قضائے حاجت، اور سببِ انجاحِ مرام ہے۔

مرغوب القلوب ۲۲۵

واضح رہے کہ حضرت ابوالقاسم سلیمانی لخمی طبرانی صاحبِ معجم کبیر نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے۔ چناں چہ حضرت منذری "ترغیب" میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

قال الطبراني بعد ذكر طرقه والحديث صحيح كما ذكره الفاضل البريلوي في الفتاوى الرضوية.[ج:۳،ص:۵۲۹]

اور علامہ قاضی عیاض مالکی اپنی کتاب "شفا شریف" میں فرماتے ہیں:

روي ان عبدالله بن عمر خدرت رِجله فقيل له اذكر احبّ الناس اليك يُزل عنك فصاح يا محمداه فانتشرت.[1]

یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کا پائے مبارک سُن ہوگیا تھا تو کسی نے آپ سے کہا آپ اپنے سب سے پیارے کا نام لیجیے تو یہ کیفیت دور ہوجائے گی تو آپ نے کہا یا محمداہ جس کے بعد آپ کا پاؤں اچھا ہوگیا۔

(۲)۔اور بوقت مصیبت ندا و استمداد کا ثبوت اس حدیث سے بھی ہے جسے امام ابن السنّی نے عبداللہ ابن مسعود اور بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا انفلتت دابة احدكم بارض فلاة فلينا ديا عبادالله اجلسوا فان الله تعالىٰ عباداً في الارض.

جب تم میں سے کسی کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہیے کہ یوں ندا کرے۔ اے خدا کے بندو روک لو کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اسے

(1)....شفا،ج:۲،ص:۲۰.

روک لیں گے۔

بزّار کی روایت میں ہے، یوں کہے۔"اعینوا عباد الله"اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں مروی ہے "اعینوا یا عباد الله رحمکم" یہ حدیث متعدّد طرق سے "حصن حصین" میں بھی مروی ہے۔اور یہ کتاب عام طور پر دستیاب ہے اور مقبول علماومشائخ ہے، حتیٰ کہ دیوبندیوں کے نزدیک بھی۔

چناں چہ نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی جو مولوی محمد اسحٰق دہلوی صاحب "مأۃ مسائل" کے شاگردوں میں ہیں، انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ وشرح بنام "ظفر جلیل" لکھا ہے۔اور اس میں "عباداللہ" کی یہ وضاحت کی ہے۔

کہ مراد بندۂ خدا سے رجال ُالغیب ہیں یعنی ابدال، یا ملائکہ یا مسلمان جنّات

(مطبوعہ، مطبع عبدالغفور شاہ جہان آبادی)

اور ملا علی قاری اس کی شرح "الحرزُ الثمین" میں فرماتے ہیں:

رواه الطبراني عن زيد بن على عن عقبة بن غزوان عن نبى الله صلى الله عليه وسلم انه قال اذا ضل احدكم شيئاً او اراد عونا وهو بارض ليس بها انيس فليقل يا عباد الله اعينونى فان لله عباداً لاتريٰهم وقد جرب ذلك(الىٰ ان قال) ذلك مجرب محقق ورواه الطبراني من حديث عتبة ابن غزوان ايضاً قال بعض العلماء الثقات حديثٌ حسنٌ يحتاج اليه المسافرون وروي عن المشائخ انه مجرب قرن بها انجاح ذكره ميرك.

اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں:

ہمارے بعض اساتذہ نے کہ عالم کبیر تھے ایسا ہی کیا چھوٹا ہوا جانور فوراً

آگیا۔ اور فرماتے ہیں کہ ایک بار ہمارا ایک جانور چھوٹ گیا۔ لوگ عاجز آئے ہاتھ نہ لگا میں نے یہی کلمہ کہا فوراً رک گیا۔

نقله العلى القاري في "الحرزالثمين" وذكره الفاضل البريلوي في الفتاوى الرضوية.[ج:٣، ص:٥٣١]

(۱۱)۔اصول معتقدات اور فروع معتقدات کے مابین یہ فرق ہے کہ اصول معتقدات کا منکر کافر ہوتا ہے، اور فروع معتقدات کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے۔ ہاں اگر فرع معتقدات میں اشاعرہ و ماتریدیہ یعنی علماے اہل سنت کا اتفاق ہو تو ان کا منکر ضال اور مبتدع ہوتا ہے۔

کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے:

المبتدع من يعتقد بخلاف مايعتقده اهل السنة والجماعة.

اگر اشاعرہ و ماتریدیہ کا اختلاف ہو تو ایسی صورت میں کسی ایک کا منکر دائرہ اہل سنت سے خارج نہ ہوگا۔ اور مسئلہ تصرف بعض اعتبار سے اصول معتقدات سے ہے اور بعض اعتبار سے فروع معتقدات ہے۔ وفات یافتہ بزرگوں کے لیے تصرف کا اعتقاد فروع معتقدات سے ہے اور اس کا منکر مبتدع ہے، اور عام وفات یافتہ دین دار مسلمانوں سے اِستمداد کا منکر مبتدع نہیں، بلکہ دائرہ اہل سنت میں داخل رہے گا اگرچہ ایسے وفات یافتہ دین دار مسلمانوں سے استمداد کے مطلق جواز کا قول خلاف تحقیق ہے۔ کماهو المستفاد من كلام الشيخ المحقق من اشعة اللمعات.٣/٤٠١.

☆-☆-☆

فہرست طلبۂ جماعت سادسہ ۱۹-۲۰۱۸ء

نمبر شمار	اسمائے طلبہ	سکونت
(۱)	محمد حامد رضا	نیپال
(۲)	محمد مہتاب عالم	جونپور
(۳)	محمد طفیل احمد	ادری
(۴)	غلام نبی آزاد	جلپائی گوڑی
(۵)	محمد امجد رضا	نیپال
(۶)	محمد عرفان رضا	سیتامڑھی
(۷)	محمد عارف انصاری	گریڈیہ
(۸)	محمد احسان	مئو
(۹)	شاکر علی	جھارکھنڈ
(۱۰)	محمد عرش عالم	سیتامڑھی
(۱۱)	محمد رضوان	////
(۱۲)	محمد عفان جامی	گیا
(۱۳)	محمد ساجد رضا	جھارکھنڈ
(۱۴)	ضیاء المصطفیٰ	////
(۱۵)	محمد احمد رضا	////
(۱۶)	محمد کلیم اللہ	اعظم گڑھ
(۱۷)	محمد مہتاب عالم	ہگلی

(۱۸)	غلام غوث	کوڈرما
(۱۹)	محمد راشد خان	خالص پور
(۲۰)	محمد شاکر انصاری	گریڈیہ
(۲۱)	محمد شاہد رضا	ہزاری باغ
(۲۲)	محمد سیف رضا	دیوریا
(۲۳)	محمد نورالہدیٰ	نیپال
(۲۴)	محمد نفیس انصاری	الہ آباد
(۲۵)	محمد عارف	امبیڈکر نگر
(۲۶)	غلام سبحانی	باندھ
(۲۷)	عون محمد اشرفی	سہرسہ
(۲۸)	محمد محبوب رضا	سیتامڑھی
(۲۹)	محمد صابر حسین	////
(۳۰)	محمد نیاز عالم	اتردیناجپور
(۳۱)	محمد دلشاد	گریڈیہ
(۳۲)	ابوبکر صدیق	آسام
(۳۳)	محمد محبوب رضا	نیپال
(۳۴)	محمد افروز انصاری	سیتامڑھی
(۳۵)	محمد ساجد علی	////
(۳۶)	محمد آصف رضا	گریڈیہ
(۳۷)	سورج جمال	آسام
(۳۸)	ندیم انصاری	نیپال

فروغِ اہلسنّت کیلیے امام اہلسنّت کا دس نکاتی پروگرام

{۱} عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

{۲} طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

{۳} مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔

{۴} طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے۔ معقول وظیفہ دیکر اس میں لگایا جائے۔

{۵} ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دیکر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریر و تقریر اور وعظ و مناظرہ اشاعت دین و مذہب کریں۔

{۶} حمایت مذہب و رد بدمذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دیکر تصنیف کرائے جائیں۔

{۷} تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

{۸} شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ کو سرکوبی اعداء کیلیے اپنی فوجیں، میگزین، اور رسالے بھیجتے رہیں۔

{۹} جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

{۱۰} آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے کہ!! ”آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درہم و دینار سے چلے گا“ اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۳)

تعارف

ادارہ ہذا کا قیام مئی ۷ ۱۹۴ء میں اکابر ومشائخ اہل سنت مثلاً حضور صدرالشریعہ (مصنف بہار شریعت) حضور مفتی اعظم ہند، حضور حافظ ملت، حضور محدث اعظم پاکستان، علامہ سردار احمد، اور حضور مفتی مجیب الاسلام، نسیم اعظمی علیہم الرحمۃ والرضوان کے دست ہائے مقدس سے عمل میں آیا۔ فی الوقت شہزادۂ حضور احسن العلما حضرت مولانا ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ برکاتی، اور شہزادۂ حضور حافظ ملت حضور عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور جامع معقولات ومنقولات حضرت مولانا الحاج عرش محمد خاں صاحب قبلہ برکاتی کی صدارت میں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ اپنی عمدہ تعلیم وتربیت اور تعلیمی وتدریسی خدمات کی وجہ سے مشرقی اترپردیش کی مشہور ومعروف دینی وعلمی عظیم الشان درس گاہ بن چکا ہے۔

تقریباً ۹۰۰ر طلبہ وطالبات زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ لہذا جملہ محبان اہل سنت سے گزارش ہے کہ ادارہ ہذا کا خصوصی تعاون فرمائیں۔ اور عنداللہ ماجور ہوں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

Published By
Students Of Madrasa
Arabia Razvia Ziyaul Uloom
Adri,Mau,U.P India,Pin: 275102